



تذکرہ شعرائے رامپور

فارسی تصنیف

جارج فانتوم متخلص بہ صاحب و جرجیس

اردو ترجمہ و حواشی

مصباح احمد صدیقی



تذکرہ شعرائے رامپور

فارسی تصنیف

جارج فانتوم متخلص بہ صاحب و جرجیس

اردو ترجمہ و حواشی

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی



قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تذکرہ شعرائے رامپور

TAZKIRA-E-SHORA-E-RAMPUR

URDU TRANSLATION

By

DR. MISBAH AHMAD SIDDIQI

سنہ اشاعت	:	2019
تعداد	:	
سلسلہ مطبوعات	:	
قیمت	:	
کمپوزنگ	:	مسعود اختر صدیقی، عبدالصبور امروہی

ناشر: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، وزارت ترقی انسانی وسائل
(حکومت ہند)، فروغ اردو بھون، FC-33/9 انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی - 110025
طالع :

پیش لفظ

افراد و اجتماع کی ترقی آگہی اور معلومات سے مشروط ہے اور آگہی کے تمام دروازے کتابوں کے ذریعے ہی کھلتے ہیں۔ کتابیں ہمیں روشنی کی ایک نئی دنیا سے روشناس کراتی ہیں اور ہمارے احساس و اظہار کو تحریک عطا کرتی ہیں۔ مگر صارفی معاشرت نے ہماری ترجیحات بدل دی ہیں۔ کتابوں سے ذہنوں کا رشتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ ڈیجیٹل ٹکنالوجی کی وجہ سے متبادل قرأت کی ایک نئی صورت جنم لے رہی ہے۔ اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مطبوعہ کتابوں کی معنویت کم نہیں ہوئی بلکہ کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ مطبوعہ کتابوں کے لمس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ای بکس نے گوکہ قاری کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا ہے مگر مطبوعہ کتابوں سے آج بھی دنیا کی بڑی آبادی کا رشتہ قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ حسب سابق جاری و ساری ہے۔

علمی اور تہذیبی ورثے کا تحفظ ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے اور ہمارے ارباب نظر نے اس کے تحفظ کے لیے مختلف صورتیں بھی نکالی ہیں۔ قومی اردو کنسل بھی ایک ایسا ادارہ ہے جس نے علمی اور تہذیبی وراثت کے تحفظ کے لیے مختلف علوم و فنون کی نہ صرف کتابیں شائع کی ہیں بلکہ ”ای کتاب“ کے ذریعے بھی اس کے تحفظ کی ایک نئی صورت نکالی ہے۔ قومی اردو کنسل نے

جہاں لسانیات، ادبیات، تکنیکی و سائنسی علوم، ریاضیات، شماریات اور دیگر علوم کی فرہنگ و اصطلاحات، کلاسیکی ادب پاروں، نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم رکھا ہے وہیں ”ای کتاب“ اور ”ای لائبریری“ کے ذریعے اہم کتابوں کے تحفظ کی بھی کوشش کی ہے۔ کونسل نے ذولسانی (اردو اور انگریزی) ایپ ”ای کتاب“ تیار کیا ہے جس میں گلوبل لینگویج سپورٹ کے علاوہ انٹریکٹو فہرست کے ذریعے مطلوبہ باب تک رسائی اور الفاظ کے معانی دیکھنے کی سہولت بھی موجود ہے۔ کونسل سے شائع شدہ اہم کتابیں اس کی ویب سائٹ (ای لائبریری) پر موجود ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کونسل کی اہم مطبوعات سے استفادہ کر سکیں۔ قومی اردو کونسل نے کم قیمت پر اردو زبان و ادب کا سرمایہ شائقین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور کونسل اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہے کہ اس کی کتابیں صرف برصغیر میں ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ کونسل ترجیحی طور پر ان کتابوں کی اشاعت کرتی ہے جس کے ذریعے ہم حیات و کائنات کے رموز و اسرار، آداب زندگی اور قرینہ اظہار سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اساتذہ اور طلباء کے علاوہ عام قارئین کے لیے بھی بے حد مفید ثابت ہوگی۔

شیخ عقیل احمد

ڈائریکٹر

فہرست

ix	تبصرہ سراج	
xiii	چند حرف	
xv	مقدمہ مترجم	
1	تذکرہ شعرائے رامپور	1
6	صاحبزادہ محمد اکبر خاں اکبر	2
7	نواب محمد یار خاں امیر	3
8	نواب احمد یار خاں افسر	4
9	صاحبزادہ محمد امداد اللہ خاں امداد	5
9	حکیم غلام حسین آزاد	6
11	احمد خاں ملک احمد	7
12	عزیز شاہ خاں آشفتمہ	8
13	صاحبزادہ محمد بخش اللہ خاں بخشش	9
14	شیخ علی بخش بیمار	10

16	صاحبزادہ محمد عباس علی خاں بیتاب	11
17	استاد کبیر خاں تسلیم	12
17	سید تراب شاہ تراب	13
18	شیخ سیف اللہ ثاقب	14
21	صاحبزادہ محمد جعفر علی خاں جعفر	15
22	مولوی جلال الدین خاں جلالی	16
35	ذوقی رام حسرت و ذوقی	17
39	مولوی محمد حیات خاں حیات	18
40	میاں حسین شاہ حسین	19
41	صاحبزادہ غلام حیدر خاں حیدر	20
42	مولوی محمد حفظہ اللہ حفظ	21
43	شہامت خاں حرمت	22
43	ملک کریم خاں خورشید	23
45	میر احمد علی رسا	24
45	میاں رؤف احمد رافت	25
46	مولوی غلام جیلانی رفعت	26
48	نواب احمد علی خاں رند	27
53	نواب محمد نصر اللہ خاں سلطان	28
55	شیخ سراج النبی سراج سرہندی	29
57	مولوی سراج الدین احمد خاں سراج	30
61	جانی صاحب شائق	31
62	میر نجف علی شفقت	32
65	محمد شجاعت علی خاں شجاعت	33

VII

66	مولوی قدرت اللہ شوق	34
67	انعام اللہ خاں شیفہ	35
68	نظیر شاہ خاں شاد	36
69	میاں نجیب شاہ شا کر	37
71	کریم الدین صنعت	38
73	جارج فانتون صاحب	39
88	مولوی الہ داد حافظ شہرائی طالب	40
92	میر ضیاء الدین عبرت	41
93	میر غلام علی مشہدی عشرت	42
94	میر سعادت علی عیش	43
94	محمد زین العابدین خاں عابد	44
95	سید عباس علی عباس	45
96	احمد خاں آخون زادہ غفلت	46
98	مولوی غیاث الدین غیاث	47
99	حکیم محمد عطاء اللہ غمین	48
100	محمد حبیب اللہ خاں فرحت	49
102	مولوی عبد القادر قادر	50
103	محمد قیام الدین قائم چاند پوری	51
104	صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خاں کفایت	52
105	کریم اللہ خاں کرم	53
106	لاچار	54
107	قاضی نور الحق منعم	55
108	محنت	56

VIII

109	مہدی علی خاں مہدی	57
110	حکیم غلام محمد خاں ماہر	58
111	نواب محمد یوسف علی خاں ناظم	59
116	میر رفیع الدرجات نزہت	60
118	صاحبزادہ مہدی علی خاں نجف	61
118	نواب محمد کلب علی خاں نواب	62
120	صاحبزادہ نجف علی خاں نجف	63
121	مستقیم خاں وسعت	64
123	صاحبزادہ عبید اللہ خاں ہمد	65

تبصرہ سراج

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی، اس وقت امر وہہ میں اردو، فارسی کے نامور اسکالر، نقاد و محقق اور تذکرہ نگار ہیں۔ جنہوں نے دوران طالب علمی ہی میں امر وہہ کی بہت سی معروف شخصیات پر قلم اٹھا کر انہیں زندہ جاوید کر دیا۔ 1992 میں جب یہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے فارسی میں ایم اے کر رہے تھے، ان کی پہلی کتاب ”تحفۃ الانساب“ شائع ہوئی جس نے خاصی شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے ہر سال اہل امر وہہ اور اردو ادب کو ایک نادر تحفہ کی صورت میں کوئی نہ کوئی بیش قیمت کتاب پیش کی۔ اب تک ان کی بارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے سو سے زیادہ تاریخی، تحقیقی، علمی و ادبی اور تنقیدی مضامین لکھے جو مختلف ادبی رسائل و جرائد اور اخبارات میں شائع ہوئے۔ ان کا خالص علمی و تحقیقی کام ”اسرار یہ کشف صوفیہ“ کی تدوین ہے۔ اسرار یہ عہد شاہ جہانی میں لکھا گیا صوفیہ، علما و شعرا کا ایک نادر تذکرہ ہے جو ابھی تک زیور طبع سے نا آشنا تھا۔ مصباح احمد صدیقی نے رضا لائبریری رامپور کے اشاعتی پروگرام کے تحت اس کی تدوین کی ہے آج کل اسی کتاب کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں۔ دوسرے انتہائی خوشی کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی نے امر وہہ کے معروف اساتذہ کے دواوین مرتب کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے جس میں انہوں نے سب سے پہلے اپنے استاد مکرم علامہ شہباز امر وہی کا

اکثر کلام جمع کر کے ”کلیات شہباز“ کے نام سے شائع کرایا۔ امروہہ کے ایک اور استاد شاعر مسیح اللہ خاں عطا کا دیوان ”چمنستان عطا“ کے نام سے 2011 میں شائع کیا۔

دوسرے آپ نے بڑی محنت، عرق ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد امروہہ کے مشہور و معروف استاد شاعر مولوی فضل ستار لاہابی کا کلیات ترتیب دیا ہے۔ جو 544 صفحات پر مشتمل ہے جو سال (2012) میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اب انھوں اپنی تحقیق و تلاش کی داد دیتے ہوئے رامپور رضا لاہیری میں محفوظ ایک نادر فارسی تذکرے کی تدوین و ترجمہ کیا ہے جس پر انتہائی مفید و کارآمد حواشی لکھے جو آپ کی محنت اور علمی شغف کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ جس کی تدوین اور اشاعت پر میں انھیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ مصباح احمد صدیقی، اسی طرح علمی و ادبی نگارشات پیش کرتے رہیں۔ آمین۔

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی کو مخطوطہ شناسی اور اس کے پڑھنے میں اچھا ملکہ حاصل ہے انھوں نے فارسی میں ایم۔ اے۔، پی۔ ایچ۔ ڈی۔، کیا ہے ان کا پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ورک بھی ہندوستان میں لکھی جانے والی پانچویں لغت یا فرہنگ ”بحر الفضائل فی منافع الافاضل“ کی تدوین ہے۔ یہ کام آپ نے فارسی زبان کے ماہر عالم پروفیسر سید محمد طارق حسن سابق صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر نگرانی انجام دیا۔

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی نے ”بحر الفضائل فی منافع الافاضل“ کے پانچ نسخے دستیاب کیے۔ ان کا بنیادی نسخہ جو برٹش لاہیری لندن میں محفوظ ہے اس کو راقم الحروف نے بھی دیکھا ہے جو خط شکستہ میں انتہائی باریک لکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی نے نہ صرف اس کی صحیح قرأت کی بلکہ اس سے قبل اور اس کے بعد لکھی جانے والی لغات اور فرہنگیات سے اس کے تسامحات اور کمیوں کو دور کیا اور حواشی میں اس کی مع حوالے کے وضاحت کی۔

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی کے اسی علمی شغف اور صلاحیتوں نے انھیں اس طرح کے مشکل ترین کام کرنے کا حوصلہ عطا کیا ہے کہ انھوں نے ”بحر الفضائل فی منافع الافاضل“ کے بعد کئی مخطوطات کو تدوین و ترجمہ اور حواشی سے آراستہ کر کے شائع کرایا۔ جس میں ”اسرار یہ کشف صوفیہ“ ان کا سب سے اہم، وقیع اور علمی و تاریخی کارنامہ ہے۔ اس کا اصل فارسی متن ایڈٹ کر کے

آپ نے ہندوستان کی معروف لائبریری رضا لائبریری رامپور سے 2013 میں شائع کرایا ہے جس کا اردو ترجمہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔
 میں ایک بار پھر انھیں دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے ان کے لیے دعا گو ہوں۔
 ”اللہ کرے زور قلم اور زیادہ“

ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی
 ہاشمی ہاؤس، قاضی زادہ امر وہہ
 24 فروری 2014

حرفے چند

مصباح احمد صدیقی ایک نوجوان ذہین و سنجیدہ اور سختی اسکالر ہیں جو ایک عرصہ سے بڑی خاموشی اور انہماک کے ساتھ اردو فارسی ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان کی بعض کتب اور مضامین ان کی ذہانت، سنجیدہ فکر و نظر اور عرق ریزی و عمیق مطالعہ کی غماز ہیں۔

ان کی اب تک سات تالیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن میں تذکرہ علمائے امروہہ، شعراے امروہہ (مطبوعہ رضا لاہوری رامپور) تحفۃ الانساب، کلیات شہباز اور قوۃ الکلام ان کے تابناک مستقبل کی روشن دلیل ہیں۔ بالخصوص ”قوۃ الکلام“ جو امروہہ کے ایک صوفی بزرگ حضرت شاہ عضد الدین محمد جعفری علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے یہ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبان کی ایک نادر فرہنگ ہے۔ جس کا ایک واحد قلمی نسخہ رضا لاہوری رامپور کی زینت تھا۔ مصباح احمد صدیقی نے محترم پروفیسر نثار احمد فاروقی کے حکم و اشارے پر اس کو بڑی محنت، لگن اور توجہ سے ایڈٹ کیا اور اس پر جابجا مفید و کارآمد حواشی بھی تحریر کیے۔ ان کی یہ کاوش اسی سال رضا لاہوری رامپور سے شائع ہوئی ہے۔ آج کل بھی یہ ایک بہت ہی اہم قلمی نسخے ”اسرار یہ کشف صوفیہ“ کو ایڈٹ کر رہے ہیں۔ ”اسرار یہ کشف صوفیہ“ شمالی ہندوستان کے مشاہیر صوفیہ کرام، علما و شعرا اور دیگر صوفی سنت و جوگیوں کا ایک علمی و ادبی اور تاریخی تذکرہ ہے جو

سید کمال محمد سنہلی واسطی کی تصنیف ہے۔ یہ تاریخ بھی انشاء اللہ جلد ہی ہم رضا لائبریری رامپور سے شائع کریں گے۔

سردست مصباح احمد صدیقی نے جو اہم علمی و ادبی کام کیا ہے وہ ہے جارج فانتون کے ایک قلمی تذکرے ”تذکرہ شعرائے رامپور“ کا ترجمہ۔ جارج فانتون ریاست رامپور کے ایک ملازم تھے جنہوں نے اپنے زمانے میں یہاں کے مشاہیر شعرا کا ایک تذکرہ فارسی زبان میں ترتیب دیا تھا۔ اگرچہ یہ تذکرہ انتہائی نامکمل اور مختصر ہے مگر اس کی ایک تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس میں بعض ان رامپوری شعرا کے حالات و کلام دستیاب ہو جاتے ہیں جو ہمیں کسی دوسرے ماخذ سے معلوم نہیں ہو پاتے۔ اس کا ایک واحد نسخہ مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں محفوظ ہے جس کو مصباح احمد صدیقی نے بڑی محنت، لگن اور جدوجہد سے مرتب کیا اور اس کا با محاورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا ساتھ ہی بہترین، مفید اور پرازمعلومات حواشی بھی لکھے۔

مصباح احمد صدیقی کے حواشی نے تذکرے میں نہ صرف جان پیدا کی ہے بلکہ اس کو ایک مکمل و مفصل تذکرے کی شکل عطا کر دی ہے۔ انہوں نے دوسرے تذکروں کی مدد سے اس تذکرے کی تشنگی کو پوری طرح دور کرنے کی بھرپور سعی کی اور اس میں پوری طرح کامیابی پائی۔ اس ترتیب و تدوین اور ترجمہ و حواشی پر میں مصباح احمد صدیقی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ ان کا یہ کام علمی دنیا میں ان کے روشن مستقبل کا سنگ میل ثابت ہو اور وہ ہمیشہ اسی طرح قوم و وطن اور علم و ہنر کی خدمت انجام دیتے رہیں۔

ڈاکٹر وقار احسن صدیقی (مرحوم)

افسر بکار خاص

رنگ محل قلعہ رامپور

رامپور رضا لائبریری، رامپور (یو پی)

مقدمہ مترجم

روہیلہ سرداروں کی ریاست روہیل کھنڈ کی راجدھانی، جس کو فیض اللہ خاں مرحوم (م 1794) نے مصطفیٰ آباد رامپور، اور اردو کے معروف شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب نے ”دار السور“ کا نام دیا۔ اپنے روز اول سے ہی نہ صرف صاحبان علم و فن کا مرکز و محور رہی بلکہ یہاں کے نوابوں کی بے پناہ فیاضیوں اور علم و ہنر کی قدردانیوں کے سبب اردو فارسی ادبیات میں اپنا ایک خاص و ممتاز مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ نوابان رامپور کی اس علم پروری و علم دوستی سے رام پور کو تاریخ میں ”بخارا ہند“ کے نام سے شہرت ملنے لگی۔ علم و فن اور ہنرمندی کا ایسا کوئی میدان نہیں جس میں یہاں کے نامور مشاہیر نے کارہائے نمایاں انجام نہ دیے ہوں۔ بلکہ اس میدان میں اپنی یکتائی کا جھنڈا گاڑا۔

حیرت و تعجب کی بات ہے کہ یہاں کے صاحبان فضل و کمال اور ہنرمندان ذی وقار کا کوئی مبسوط و وسیع تذکرہ ابھی تک نہیں لکھا گیا۔ شروع سے آج تک صرف چند کتابیں ہی سامنے آئی ہیں جو ان باکمالوں کے تعارف میں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں امیر احمد امیر بینائی کی ”انتخاب یادگار“ مولوی حکیم نجم الغنی خاں رامپوری کی ”اخبار الصنادید“ حافظ احمد علی خاں شوق رامپوری کی ”تذکرہ کمالان رامپور“ جارج فانتوم رامپوری کا ”تذکرہ شعرائے رامپور“ (قلمی) اور شبیر علی خاں شکیب ایڈوکیٹ مرحوم کی ”رامپور کا دبستان شاعری“ وغیرہ۔

سردست ہماری توجہ کا موضوع و مرکز ”تذکرہ شعرائے رامپور“ ہے جس کی آدھی ادھوری ترتیب و تالیف کا سہرا، سرکار رامپور کے ایک ملازم خاص جارج فانتوم فرانسیزی کے سر ہے۔ تذکرہ پر بحث و گفتگو کرنے سے پہلے جارج فانتون کا مختصر و ضروری تعارف یہاں پیش کر دینا انتہائی ضروری ہے۔

جارج فانتون متخلص بہ صاحب ابن کپتان برنارد فانتون ولادت تقریباً 1238ھ/1822¹ جارج فانتوم کے والد کپتان برنارد فانتون (پیدائش 1771 / وفات 1845) فرانس کے ایک معزز و معروف خاندان سے تھے۔ آپ سولہ سال کی عمر میں پاٹنڈیچری، جو شاہ فرانس کی حکومت کا صدر مقام تھا، اعلیٰ کونسل کے رکن مقرر ہو کر 1786 میں نواب نظام الملک والی دکن کی سرکار میں فرانسیزی فوج کے کپتان مقرر ہوئے۔ یہاں 28 جرار ہٹالین فوج کے کمانڈر جنرل موسیٰ رامون، کپتان برنارد فانتون کے قریبی عزیز تھے۔ موسیٰ رامون کی مدد و سرپرستی سے برنارد فانتون نے جلد ہی خاصی ترقی پائی۔ موسیٰ رامون کی وفات کے بعد نواب نظام الملک کے نائب میر عالم کی بدعنوانیوں کے سبب سے دکن کے حالات خراب ہو گئے برنارد فانتون بھی وہاں سے الگ ہو کر 1797 میں کرنل گارڈن عرف گارن کی فوج میں اسی عہدے پر بے پور سرکار سے وابستہ ہو گئے اس کے بعد 1800 میں انگریزی حکومت میں جنرل اختر لونی کی ماتحتی میں اسی کپتانی کے عہدے پر ملازم رہے اور 1806 میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

کپتان برنارد فانتوم کو فن طب میں خاص درک اور ملکہ حاصل تھا۔ اسی لیے وہ

1 ”انتخاب یادگار“ کی ترتیب و تدوین کے وقت 1290ھ میں امیر بینائی نے ان کی عمر 52 برس بتائی ہے جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جارج فانتوم کی پیدائش 1238ھ میں ہوئی ہوگی۔ معلوم نہیں ”وفیات مشاہیر اردو“ کے مولف محترم بشارت علی خاں فروغ ایڈوکیٹ نے کس ماخذ کی بنیاد پر فانتوم کی ولادت 1809 لکھی ہے۔ مقام حیرت ہے کہ جارج فانتوم نے ”تذکرہ شعرائے رامپور“ میں خود اپنی جائے پیدائش اور تاریخ پیدائش کے بارے میں کچھ نہیں لکھا جو ایک اچھے تذکرہ نگار کے لیے کسی طرح اچھا نہیں۔

ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ہندوستانی حکام و امرا کے علاج کرنے لگے جس کے سبب 1819 میں وہ نواب احمد علی خاں والی ریاست رامپور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی علاج وغیرہ کے تعلق سے بار بار ملاقات کے سبب دونوں ایک دوسرے کے دوست ہو گئے۔ ایک مرتبہ 1830 میں نواب احمد علی خاں نے انھیں علاج کے لیے بلایا تو یہ مستقل سات سال 1837 تک رامپور میں مقیم رہے۔ نواب احمد علی خاں نے ان کے کھانے پینے اور رہنے کے انتظام کے علاوہ ایک ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر کی۔ اسی سال (1837) محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی نے نواب احمد علی خاں سے انھیں علاج کے لیے طلب کیا مگر اتفاق سے ان کے دہلی پہنچنے سے پہلے ہی بادشاہ نے وفات پائی۔ ان کے واپس آنے کے بعد 1840 میں نواب احمد علی خاں نے بھی انتقال کیا اور 15 نومبر 1845 کو کپتان برنارد فانتوم نے بھی اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ ”کیا غضب ہوا“ سے جارج فانتون نے تاریخ وفات برآمد کی

مرنے سے اس کے بند جو باب مطب ہوا

خورد و کلاں نے رو کے کہا ”کیا غضب ہوا“

فانتوم کی وجہ تسمیہ کے بارے میں محمد علی خاں اثر رامپوری نے اپنے مقالہ ”تذکرہ شعرائے رامپور“ مصنفہ جارج فانتون“ میں لکھا ہے۔

”ان کا خاندانی نام مشہور تو فانتون ہے لیکن مراسلات میں

فانتوم مرقوم ہوتا رہا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کپتان برنارڈ

نے 1820 میں شاہ دہلی کا علاج کیا تھا اور جانکدا اور انعامات

کثیرہ پائے تھے۔ اس موقع پر بہ لحاظ مہارت طب فانتون کی

جگہ ”فلاطون بہادر“ لکھا گیا اور بعد کو بھی یہی لکھا جاتا رہا۔

یہی فلاطون، فانتون ہو گیا“¹۔

کپتان فانتوم کے سب سے بڑے بیٹے جارج فانتوم متخلص بہ صاحب و جرجیس رامپوری

1 ”تذکرہ شعرائے رامپور“ مصنفہ جارج فانتون از محمد علی خاں اثر مطبوعہ معاصر، حصہ 2 ص 134

تھے ان کی والدہ شاہزادہ فیروز شاہ کی بیٹی تھیں۔ محمد علی خاں اثر رامپوری نے ماہ نامہ ”معاصر“ میں ان کے تعارف میں لکھا ہے کہ

”جارج فانتون مسلم ماں کے آغوش میں تربیت پانے کی وجہ سے مسلمان ہوئے“¹

جارج فانتون نے رام پور کے مشہور زمانہ اساتذہ مولوی الہ داد حافظ شہرانی متخلص بہ طالب رامپوری سے عربی درسیات اور مولوی نور الاسلام سے فارسی ادبیات کی تکمیل کی اور شعر گوئی میں میر نجف علی شفق رامپوری سے تلمذ حاصل کیا۔ جارج فانتون اردو فارسی دونوں زبانوں میں بلا تکلف شعر کہتے اور اچھا کہتے تھے۔ تذکرہ ”شعرائے رامپور“ کے علاوہ ایک دیوان بھی ان کی یادگار ہے جو اسی تذکرے میں مجلد ہے۔ اس میں اردو فارسی طبع زاد کلام کے ساتھ ہی بعض انگریزی نظموں کے ترجمے بھی ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کی دو اور تصانیف کا ذکر کیا ہے جن کے موضوعات ”عربی صرف نحو“ (بزبان فارسی) موسیقی کے فن پر ایک رسالہ ”فن موسیقی“ ہیں۔ جناب شوکت ہنزواری نے لکھا ہے۔

”.....ان تصنیفات میں اردو دیوان کو چھوڑ کر شعرائے رامپور کا

ایک فارسی تذکرہ اور عربی صرف نحو کا ایک مختصر سار سالہ بھی ہے“²

جارج فانتون ایک قادر الکلام اور اچھے شاعر تھے، زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی۔ کلام میں استادانہ فنکاری، قدیم طرز کے ساتھ رنگ دہلی و لکھنؤ پوری طرح جلوہ ریز ہے۔ اور اسی رنگ دہلی اور طرز لکھنؤ کی آمیزش نے صاحب کے کلام کو دو آتشہ کر دیا ہے۔

تذکرہ شعرائے رامپور

یہ تذکرہ مولف جارج فانتون کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا رامپور رضا لائبریری رامپور کے

1 تذکرہ شعرائے رامپور مصنفہ جارج فانتون از محمد علی خاں اثر مطبوعہ معاصر، حصہ 2 ص 135

2 شعرائے رامپور کا ایک قلمی تذکرہ ”معارف نمبر 1 جلد 57 صفحہ 65 مقالہ نگار شوکت ہنزواری

شعبہ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ اس کا اندراج بدین طریق فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، کتاب خانہ رضا رامپور میں مندرج ہے۔

تذکرہ شعرائے رامپور

ردیف کتاب خانہ 11464

شمار کتاب 2436

جارج فانتون بن کپتان برنارد فانتون فرانسیسی رامپوری

نام مولف

متخلص صاحب و جرجیس

تقریباً 1275ھ

سال تصنیف

70

تعداد اوراق

یہ تذکرہ خط نستعلیق میں لکھا ہوا بہت اچھی حالت میں ہے۔ متن کے لیے سیاہ اور شعرا کے نام و تخلص کے لیے سرخ روشنائی استعمال ہوئی ہے۔ اس پر کسی کا تب کا نام نہیں ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ خود مولف ہی کے ہاتھ لکھا ہوا ہو۔ سال کتابت بھی درج نہیں ہے۔ نسخہ اچھی اور صاف ستھری حالت میں مجلد ہے۔ کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے البتہ پہلے صفحہ پر یہ عبارت کسی دوسرے قلم سے تحریر ہے۔

”تذکرہ نگاشتہ قلم اعجاز رقم از حضرت جرجیس فلاطون فرانسیسی الخطاب

بہ صاحب پدر بزرگوار حضرت تانا (یوسف) المدعو بنے صاحب“²

یہ تذکرہ جیسا کہ خود مولف کا بیان ہے کہ انھوں نے اس کو نواب کلب علی خاں بہادر کے حکم پر لکھا اور تقریباً اس میں سو سال کی تاریخ کا احاطہ کیا ہے۔ تذکرہ میں کل چونسٹھ رامپوری شعرا کے حالات انتہائی اختصار کے ساتھ قلم بند کیے گئے ہیں اور تذکرہ لکھنے کی وجہ یہ قرار دی گئی ہے کہ ہندوستان بھر میں شعرائے اردو کے بہت سے تذکرے لکھے گئے ہیں مگر مصطفیٰ آباد رامپور کے صاحب فضل و کمال شعرا کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اگر بعض کا ذکر کیا بھی گیا ہے تو ان کے علم و فضل

1 فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی کتاب خانہ رضا۔ رامپور ص 15

2 تذکرہ ”شعرائے رامپور“ قلمی مخزنہ، رضا لائبریری رامپور

اور فنکارانہ صلاحتیوں کا پوری طرح اعتراف نہیں کیا۔ دوسرے تذکرہ نگاروں نے اپنی لاعلمی کے سبب ان کے بارے میں بہت سی بے سرو پا باتیں لکھی ہیں اس لیے میں نے (جارج فانتون) یہ تذکرہ لکھا۔

مگر جائے حیرت ہے کہ جارج فانتون نے جو الزام ہندوستان کے دوسرے فاضل تذکرہ نگاروں پر لگایا ہے اس الزام سے وہ خود بھی نہیں بچ سکے۔ جبکہ ہندوستان میں لکھے جانے والے اردو فارسی شعرا کے اکثر تذکرے ان کے سامنے تھے اور ان کی خامیوں اور کمیوں کا بھی انھیں پوری طرح احساس تھا۔ ان کے مندرجہ بالا بیان سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ایک حساس باشعور اور ذہین تذکرہ نگار ہیں۔ مگر جب اپنا تذکرہ لکھتے ہیں تو وہی خامیاں کمیاں اور غلطیاں کرتے ہیں جو قدیم تذکرہ نگاروں نے کیں یا عدم معلومات کے سبب ان سے سرزد ہوئیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جارج فانتون نے اپنے تذکرے میں کسی بھی شاعر کی تاریخ ولادت یا تاریخ وفات نہیں لکھی۔ البتہ تاریخ وفات کے بارے میں ہر ایک ترجمہ میں لکھا کہ دس سال ہوئے کہ اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ پچاس سال کا عرصہ گزرا کہ وفات پائی۔ یا بیس سال کا زمانہ گزرا کہ انتقال کیا وغیرہ۔ اور اکثر کے بارے میں تو اتنا لکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ بعض شعرا کے کلام میں بھی خواہ مخواہ جھگڑا ڈال دیا سراج اورنگ آبادی کی مشہور زمانہ غزل جس کا مطلع ہے

خبر تیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی

”یہ سراج الدین علی خاں آرزو کی غزل نہیں بلکہ سراج سرہندی رامپوری کی ہے“ یا یہ ”اشعار رند رامپوری کے ہیں۔ رند لکھنوی یا رند بنارس کے نہیں“ جبکہ ان دعاوی کے بارے میں کوئی ٹھوس دلیل یا ثبوت پیش نہیں کیا۔ صرف یہ لکھا ہے کہ ”رند لکھنوی کے دیوان کی اشاعت سے پہلے یہ اشعار رامپوری عوام و خواص کے زبان زد تھے اور رند بنارس تو اس زمانہ میں طفل مکتب تھے“ وغیرہ۔ اس پر طرہ یہ کہ شیخ قلندر بخش جرأت کے معروف شعر

امشب کسی کا کل کی حکایات ہے واللہ

کیا رات ہے کیا رات ہے کیا رات ہے واللہ

وغیرہ کو خط ملط کر کے بات کا بنگلڑ بنادیا۔ المختصر رامپور کے ہی مورخ و تذکرہ نگار جناب شبیر علی خاں شکیب ایڈوکیٹ کا بیان ملاحظہ ہو۔

”ایک تیسرا قدیمی تذکرہ انتخاب یادگار کے قریب زمانے کا
 ”تذکرہ شعرائے رامپور“ مولفہ جارج فانتون ہے۔ جو مولف کے
 قلم کا لکھا ہوا مخطوطہ کی شکل میں رضا لائبریری رامپور میں ہے۔
 مگر اس میں نہ تحقیقی انداز اختیار کیا گیا ہے نہ شعرا کا سن وفات
 ہی متعین ہو پایا ہے۔ بعض سنی سنائی غلط باتوں کو بغیر تحقیق کے
 ترجموں میں بیان کر دیا ہے“¹

ان تمام تر خامیوں اور کمیوں کے باوجود اس تذکرے کی ایک بڑی اہمیت یہ ہے کہ یہ
 رامپور کے شعرا سے متعلق ایک اہم ماخذ اور علاقائی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تذکرے
 میں ہمیں کئی ایک استاد، فاضل اور بلند فکر و نظر کے حامل شعرا کے حالات ملتے ہیں جن کا کوئی
 حال یا کلام کسی بھی دوسرے تذکرے میں نہیں ملتا۔ بعض کا حال تو رامپور میں ہی لکھے جانے
 والے تذکروں میں ندارد ہے۔ اس لیے اس تذکرے کی ایک خاص اہمیت و افادیت ہے۔ اس
 تذکرے ”تذکرہ شعرائے رامپور“ کو پہلی بار مخدوم گرامی پروفیسر سید حسن عباس صاحب نے
 ترتیب و تدوین کے بعد رضا لائبریری رامپور کے جرنل نمبر 10، 11 میں 2004 میں شائع
 کیا تھا۔ راقم الحروف نے اس کی اسی اہمیت و افادیت کے سبب اس کا رشتہ اردو کے عام قاری
 اور اسکالرس سے جوڑنے کے لیے اس کا اردو ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا اور اب اللہ تعالیٰ کا ہزار
 فضل و احسان ہے کہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ راقم الحروف نے اپنی تمام تر علمی بے بضاعتی اور
 سخن ناشناسی کے باوجود اس پر کارآمد حواشی لکھ کر جارج فانتون کے تسامحات اور کمیوں کو دور
 کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ راقم السطور اس سعی و کاوش میں کتنا کامیاب اور کتنا ناکام
 ہے اس کا فیصلہ تو باشعور قارئین اور نقادان فن کی بے باکانہ عدالت میں ہی ہوگا۔

1 ”رامپور کا دبستان شاعری“ صفحہ 131 مولفہ شبیر علی خاں شکیب ایڈوکیٹ مرحوم

میں آخر میں اپنے مشفق گرامی محترم توفیق احمد چشتی قادری کا انتہائی ممنون و مشکور ہوں
 جنہوں نے اپنے قیمتی کتب خانہ سے مجھے ہمہ وقت استفادے کا موقع عنایت فرمایا۔
 دوسرے اپنے مخلص دوست جناب مسعود اختر صدیقی، جناب عبدالصبور کا بھی شکریہ ادا کرنا
 انتہائی ضروری سمجھتا ہوں جو بڑی محنت اور لگن سے میری کاوشوں کو کمپوز کر کے جلد آپ کے
 ہاتھوں میں پہنچنے کے لائق بناتے ہیں۔

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی
 محلہ گھیر مناف، امر وہہ

تذکرہ شعرائے رامپور

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور سید المرسلین (محمد) صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی تعریف کے بعد اہل علم کو معلوم ہو کہ اکثر شعر و ادب کے شوقین لوگوں نے ہندوستان کے اردو شعرا کے بہت سے تذکرے لکھے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بہشت جیسے خوبصورت شہر مصطفیٰ آباد عرف دارالسرور رامپور جو بلند مرتبہ سرکاری راجدھانی ہے۔ جو اپنی ابتدا سے صوبہ کٹھیر میں بڑائی اور سنجیدگی، جرأت و دلیری اور علم و ادب میں یکتائی کا جھنڈا اونچا کیے ہوئے ہے۔ اس کا علاحدہ سے کوئی تذکرہ نہیں لکھا۔ یا یہ کہ ہندوستان کے مختلف مقامات پر تذکرہ لکھنے والے یہاں سے دوری اور یہاں کے اہل علم حضرات کے حالات سے لاعلمی کے سبب قاصر رہے اور یہ بھی کہ تذکرہ لکھنے والوں نے یہاں کے بعض شعرا کو اپنے تذکروں میں درج تو کیا ہے مگر انھیں عام ہندوستان کے علاقوں میں شمار کیا (یعنی ان کے اصل وطن رامپور کا نام نہیں لکھا) بہر حال (یہ) اب سے بیشتر اپنے اصل مسکن میں شامل نہیں کیے جاسکے ہیں۔ حالانکہ اس خوبصورت علاقہ میں نواب محمد فیض اللہ خان مرحوم کی ریاست کے شروع سے آج کے بابرکت دور تک سیکڑوں اہل فضل و کمال نے دنیا میں چاروں طرف نام وری کا نقارہ بجایا ہے اور پورے عالم میں اپنی شہرت کا جھنڈا بلند کیا ہے۔ یہاں تک کہ یہاں کے علما کی تعلیم کی برکت سے ہزاروں

طالب علموں نے زمانے کے اطراف و جوانب کا رخ کیا اور اعلیٰ مرتبہ تک پہنچے اور اپنے ہم زمانہ لوگوں کے لیے فخر کا باعث ہوئے۔ عالی مرتبت والیان حکومت کی بلند مقصد ہمتیں اس بات پر مائل رہی ہیں کہ اپنے ملک کے اعلیٰ و عمدہ واقعات سے تحریر کے ذریعہ بطور یادگار دوسرے شہروں اور علاقوں کے لوگوں کو مستفید فرمائیں۔

لہذا حسب ارشاد، فیض بنیاد، نواب عالی جناب، بلند القاب، بڑے خطاب والے، خورشید رکاب، گردوں حشم، قمر خدم، ہمیشہ جہان کو فیض پہنچانے والے غریبوں کی دستگیری کرنے والے، بے سہاروں کا سہارا، جود و سخا کے دریا بہانے والے، بخشش و عطا کے روشن ستارے، حکومت کے سرتاج، ریاست کے چشم و چراغ، امیر ابن الامیر ابن الامیر، حاجی حرمین شریفین، زائر روضہ منورہ رسول الثقلین خانوادہ نقش بندیہ کی شان و شوکت بڑھانے والے، فرزند دل پذیر دولت انگلیشیہ (حکومت برطانیہ)، صاحب فہم، والا تدبیر، بلند ہمت بڑے امیر نواب محمد کلب علی خان بہادر والی ملک رامپور اللہ ان کے اقبال و حشمت کو ہمیشہ قائم رکھے۔

خلاق وجود مہربانی در خلق و وفا و مہربانی¹
تقریر زبان او چو بلبل بلبل بہ ثنای اوست بلبل²

نوٹ: یہ 27 اشعار پر مشتمل مثنوی جارج فانٹوم نے نواب کلب علی خاں کی مدح میں قلمبند کی ہے جو ”صنعت تجنیس میں ہے۔ صنعت تجنیس کا مطلب ہے کہ شعر میں ایسے دو یا دو سے زیادہ الفاظ لائے جائیں جو تلفظ اور املا کے اعتبار سے یکساں ہوں مگر معنی میں ایک دوسرے سے الگ ہوں یعنی دونوں لفظوں کے معنی الگ الگ ہوں۔ مثال کے طور پر ”مار“ بمعنی پیٹنا اور ”مار“ بمعنی سانپ۔ ع ”مار تیرے ہاتھ میں ہے اس کو مار“ یا تمھاری مانگ ہی دل مانگ لے گی

یہ چوٹی کا ہے کو پیچھے پڑی ہے

1 جو خلق و وفا اور مہربانی کا خالق ہے یعنی مہربانی، وفا اور اچھے اخلاق پیدا کرنے والا ہے۔

2 بلبل کی طرح فصاحت و بلاغت سے بولنے والا ہے بلکہ بلبل بھی اس کی تعریف کرنے سے عاجز ہے

جبکہ وہ تو ہزار داستان ہے۔

1	ہر شعر بلند تر ز شعری	یکتا است بہ فن علم و شعری
2	یا قوت خجل غلام یا قوت	رنگین قلمش چو لعل و یا قوت
3	نی نی غلطم بہ نی شکر ہست	کلک قلمش چو نیشکر ہست
4	خام است کہ چون خط عطار	پیش قلمش خط عطار
5	در فن سخن امیر خسرو	در مملکت کلام خسرو
6	در ملک سخن یگانہ ناظم	یکتا ناثر یگانہ ناظم
7	حاتم بہ کرم نہ بودکان است	در باب سخا وجود کان است
8	از جود و سخا و تش بشد طے	طومار سخائی حاتم طے
9	این حاتم را بہ چشم دیدہ	آن حاتم را ندید دیدہ
10	از جود و سخا و تش دربار	مانند سحاب فیض دربار

- 1 شاعری کے میدان میں یکتا و تنہا ہے اور اس کا ہر شعر، شعری (شعری دوروشن ستارے) سے زیادہ بلند ہے۔
- 2 اس کی رنگین تحریر لعل و یا قوت کی طرح ہے کہ یا قوت معصمی خوش نویس کی تحریر بھی اس کے سامنے بیچ ہے۔
- 3 اس کا قلم نیشکر (گنے) کی طرح میٹھا ہے۔ نہیں نہیں میں نے غلط کہا بلکہ وہ خود ہی نیشکر ہے۔
- 4 اس کی تحریر کے سامنے خط عطار، خط عطار کی طرح خام یعنی کچا ہے۔
- 5 شعر و شاعری کی مملکت میں وہ بادشاہ ہے اور فن سخن گوئی میں امیر خسرو کی طرح ہے۔
- 6 لاجواب نثر نویس اور لائغانی نظم نگار ہے، سخنوری کی سلطنت کا تنہا ناظم (انتظام کرنے والا) ہے۔
- 7 کرم و سخاوت کے بارے میں تو وہ ایک کھان ہے اور کرم کرنے میں حاتم کے مثل ہے۔
- 8 اس کے خرمن کرم پر نظر کر کہ سیکڑوں امیدیں خود ہی پوری ہو جائیں گی۔
- 9 حاتم طے کی کرم و سخاوت کے طومار آپ ہی کے کرم و سخاوت سے طے ہوئے۔
- 10 اس کا دربار گھنے بادلوں کی طرح ہے جو کرم و مہربانی میں موتی برسائے والا ہے۔

1	سایل بہ درش اگر نواز د	قطار زرش دہد نواز د (ص 2)
2	خرمن کرمی نظر درو کن	صد کشت امید خود درو کن
3	اشع اشع جری بہادر	در تاج شہانہ بی بہادر
4	بہمن نشوی باو تہمتن	چون مور بہ پیش او تہمتن
5	رستم یل سیتان بن زال	پیش بازو ش کمتر از زال
6	در خیل دلاوران دلاور	در دست بہ خلق خوش دل آور
7	در حسن و جمال رشک یوسف	صدہا چنین بستہ پیش اوصف
8	یوسف بہ جمال یوسفی کرد	کی تاجوری و پوشی کرد
9	آنگہ کہ کشد بہ عدل شمشیر	ضیغم بہ غنم دہد بہ شم شیر
10	از جور خزان شود چو گل زار	سازد دل او ز عدل گلزار

- 1 جب وہ اپنے در پر آئے ہوئے سائل (سوال کرنے والے) کو نوازتا ہے تو سونے کی قطار سے اس کو سرفراز کر دیتا ہے۔ (قطار: سونے چاندی کا ڈھیر)
- 2 اس کے خرمن کرم پر نظر کر کہ سیکڑوں امیدیں خود ہی پوری ہو جائیں گی۔
- 3 شیر کی طرح بہادر اور طاقتور ہیں، بادشاہی تاج میں ایک قیمتی موتی ہیں۔
- 4 بہمن اور تہمتن اس کے مقابلے میں نہیں آتے، ان کے سامنے تو تہمتن (رستم پہلوان) بھی چوٹی کی طرح ہے۔
- 5 سید تانی رستم پہلوان زال کا بیٹا، اس کے بازوؤں کی طاقت کے سامنے شتر مرغ کے بچے سے بھی کم ہے۔
- 6 بہادروں کے ہجوم میں بہادر جس نے اپنی اچھی عادت و اخلاق سے لوگوں کا دل جیت لیا ہے۔
- 7 حسن و خوبصورتی میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح ہیں۔ سیکڑوں حسین آپ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔
- 8 خوبصورتی اور جمال میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح تاجوری اور حکومت کی۔
- 9 اس وقت اپنی عدل و انصاف والی تلوار سے شیر کی طرح اپنے بچوں سے دشمن کو مار ڈالا ہے۔
- 10 جب خزاں کے ظلم و ستم سے گل زار ویران ہونے لگا تو گل زار کو اپنے عدل سے باغ و بہار کر دیا۔

پارہ چو کتان شود ز مہتاب¹ مہرش ندہد دگر بہ مہ تاب¹
 مہ از مہ نو رکاب داری² زبید کہ کسی رکاب داری²
 صاحب تو حدید اوست پارس³ زیر قدمش بدست و پارس³
 جرجیس ز ذات اوست مطلب⁴ تو مطلب خود ز غیر مطلب⁴

گردش کہ بہ ہفت آسمان باد

بر فرق عدوش آس مان باد⁵

یہ تذکرہ اس مبارک شہر کے شعرا کے حالات میں مرتب ہوا ہے۔ یہ تذکرہ ایک سو سال کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے اور تمام اساتذہ کا کلام حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ لہذا جو کچھ ان کے تازہ کلام سے ملا وہ ان کی یادگار کے طور پر نقل کر دیا گیا۔ کہیں کوئی کوتاہی واقع ہوئی ہو تو اس کو معاف فرمائیں کیونکہ کوئی بھی انسان غلطی سے بری نہیں ہے۔

1 کتان، مہتاب (نواب کلب علی خاں) کی روشنی سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس کی مہربانی کے علاوہ کسی نے دوسرا مہتاب نہیں دیکھا۔

2 چاند نے چاند کی رکاب داری کر رہا ہے، کتنا خوبصورت رکاب دار ہے۔

3 اے صاحب تو لوہا ہے اور وہ پارس (پارس وہ دھات ہے جو لوہے کو چھو ادیں تو سونا بن جائے) تو اس کے قدموں میں جا پڑ۔

4 اے جرجیس اس کی ذات سے مطلب رکھ تو اپنا مطلب کسی غیر سے مت طلب کر۔

5 جب تک یہ سات آسمان گردش میں ہیں، اس کے دشمنوں کے سر پر ہمیشہ گردش رہے۔

صاحبزادہ محمد اکبر خاں اکبر

اکبر تخلص، صاحبزادہ محمد اکبر خاں خلف حافظ الملک حافظ رحمت خاں¹ والی ملک بریلی، جو سرکار فیض آثار ریاست رامپور کے وظیفہ خواروں میں سے تھے اور ایک مدت تک رامپور میں مقیم رہے اور اسی جگہ انھوں نے وفات پائی۔ ان کے (رحمت خاں) بڑے لڑکے صاحبزادہ محمد ضیاء خاں² یاس تخلص اپنے والد کی جگہ مقرر ہوئے اور اسی بنا پر وہ آج بھی ملک کے نامور حاکموں کی عنایات سے فیضیاب ہیں۔ صاحبزادہ محمد اکبر خاں عالم تھے اور شعر گوئی بھی کرتے تھے۔

1 حافظ الملک حافظ رحمت خاں (پیدائش 1120ھ 1708 افغانستان) ایک علم دوست شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے بہت سے ادیب و شعرا کی سرپرستی کی۔ ایک کتاب ”خلاصۃ الانساب“ آپ کی تالیفات میں بتائی جاتی ہے۔ آپ صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔ آپ اپنے بھتیجے روہیلہ سردار علی محمد خاں کے اصرار پر 1739 میں افغانستان سے ہندوستان آئے۔ علی محمد خاں نے علاقہ کٹھیر میں جس روہیلہ حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ ان کے انتقال 1161ھ 1748 کے بعد حافظ رحمت خاں اس کے جانشین مقرر ہوئے اور اس علاقہ کٹھیر کے آزاد و خود مختار حاکم بن گئے۔ آپ کے صاحبزادے نواب محبت خاں محبت نے ”علی سنت المصطفیٰ“ 1188ھ مطابق 1772 تاریخ وفات کہی۔

2 محمد ضیاء خاں یاس ابن حافظ رحمت خاں شاعری میں آخون زادہ احمد خاں غفلت کے شاگرد تھے۔ کلام بہت تھا مگر برباد ہو گیا۔ 2 شوال 1267ھ 1878 میں وفات پائی۔

چالیس سال¹ سے زیادہ ہوئے کہ اس جہان فانی سے گزر گئے اور ملک جادوانی پہنچ گئے۔ یہ غزل ان کی ہے جو ”ریاض الفردوس“ مولفہ مولوی محمد حسین خاں شاہ جہان پوری سے حاصل ہوئی ہے۔

جا کر فلک پہ نالہ شور آفریں کے ساتھ سیر بہشت کرتے ہیں ہم حوریں کے ساتھ
اللہ رے سوز سینہ کہ دامن چرخ میں شعلہ لپٹ گیا نفس آتشیں کے ساتھ
ہم مر گئے اور اس نے نہ جانا کہ مر گئے ہر زخم پر جو ہلتے تھے لب آفریں کے ساتھ
وہاں رسم اختلاط سے انکار و عذر تھا یہاں جان ہی نکل گئی اپنی نہیں کے ساتھ

طوفان نوح و گریہ اکبر میں فرق ہے
یعنی کہ آسمان کو ڈبویا زمیں کے ساتھ

نواب محمد یار خاں امیر

امیر تخلص، نواب محمد یار خاں² خلف نواب علی محمد خاں بانی ریاست رامپور۔ وہ جاگیر جو انھیں تقسیم³ سے حاصل ہوئی تھی۔ اس کی آمدنی سے امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ عالم تھے اور شعر گوئی کے شوقین تھے۔ محمد قائم چاند پوری ان کے دوست اور ہم صحبت تھے۔ ایک دن یہ مصرعہ مکمل شعر کہنے کے لیے محمد قائم کو دیا۔

1 صاحبزادہ محمد اکبر خاں نے تقریباً 1250ھ 1834 میں وفات پائی۔

2 یہ نواب علی محمد خاں (وفات 1162ھ 1749) بانی ریاست رامپور کے چوتھے بیٹے تھے جن کی پیدائش تقریباً 1159ھ کو آنولہ میں ہوئی اور یکم ذی قعدہ 1188ھ 3 جنوری 1775 میں انتقال کیا۔ امیر مینائی نے ”انتخاب یادگار“ اور خم خانہ جاوید میں لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ ان کا دیوان برباد ہو گیا۔ البتہ قدرت اللہ شوق نے ان کا بہت سا کلام نقل کیا جس کو بعد میں لالہ سری رام نے ”خم خانہ جاوید“ اور شیر علی خاں شکیب نے ”رامپور کا دبستان شاعری“ میں نقل کیا۔ نمونہ یہاں بھی ایک شعر نقل کیا جاتا ہے۔

پوچھائیں، میاں دل تو نہیں زلف میں تیری بل کھا کے لگا کہنے ”میاں لیتے ہو ہاں“ ہے۔

3 تقسیم روہیل کھنڈ 1167ھ

مصرعہ

پیارے کسی کا ہاتھ کسی کی زبان چلے
محمد قائم نے فوراً یہ مصرعہ لگایا کہ
گروقت ذبح نالہ کیا میں نے تو کیا ہوا
اسی سال سے زیادہ ہوئے کہ اس دنیا سے وفات پائی۔

نواب احمد یار خاں افسر

افسر تخلص، نواب¹ احمد یار خاں خلف نواب محمد یار خاں خلف نواب علی محمد خاں بانی ریاست رامپور، پرانے رئیسوں کی طرح صاحب علم، حوصلہ مند اور فیاض و ہنرمندوں کے قدردان تھے۔ ایک ہزار روپیہ² ماہوار ریاست رامپور سے ملتا تھا۔ نظم و نثر فارسی اور اردو میں مہارت رکھتے تھے۔ عمدہ قسم کے دود یوان مرتب ہیں۔ کبھی کبھی حافظ شہرانی سے جو اس شہر کے بڑے علما میں سے ہیں اصلاح لیتے ہیں۔ یہ چند تازہ شعرا ان کے ہیں۔ افسوس کہ ان کا کلیات وارثین کی غفلت سے برباد ہو گیا۔ تیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا کہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ (نمونہ کلام نہیں ہے³)

1 پیدائش 1745 وفات 1846

2 امیر مینائی نے ”انتخاب یادگار“ صفحہ 27 پر لکھا ہے کہ

”ان کے عم اکرم (چچا) جناب نواب محمد فیض اللہ خان صاحب بہادر عرش

منزل طاب ثراہ نے سولہ ہزار روپیہ سال وجہ کفاف مقرر فرمایا۔“

3 فانتون نے آپ کا کوئی شعر نہیں لکھا البتہ امیر مینائی نے نمونہ آپ کے دو شعر نقل کیے ہیں جن میں ایک یہ ہے۔

سیماب کی طرح سے بیتاب اک جہاں ہے

تنہا نہ ایک میں ہی ہوں بے قرار تجھ بن

صاحبزادہ محمد امداد اللہ خاں امداد

امداد تخلص، صاحبزادہ محمد امداد اللہ¹ خاں صاحب خلع صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خاں (کفایت) خلع نواب نصر اللہ خاں (سلطان) خلع نواب محمد عبداللہ خاں (عاصی) خلع نواب علی محمد خاں بانی ریاست رامپور۔ ظاہری حسن و جمال، باطنی کمالات، علم موسیقی اور دیگر فنون، نظم و نثر میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ بڑی امیرانہ زندگی بسر کی۔ یہ چند شعرا ان کے ہیں²۔ دس سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ وفات پائی³۔ (نمونہ کلام نہیں ہے)

حکیم غلام حسین آزاد

آزاد تخلص، حکیم غلام حسین⁴، نواب احمد علی خاں بہادر رئیس رام پور کے زمانہ میں عہدہ نیابت پر مقرر تھے۔ اگرچہ عربی فارسی میں اس زمانہ کے علما و فضلا سے زیادہ علم نہ رکھتے تھے۔

- 1 ”انتخاب یادگار“ میں امیر مینائی اور ”رامپور کا دبستان شاعری“ میں شبیر علی خاں شکیب نے ان کا تخلص ”تاب“ لکھا ہے۔ آپ کی ولادت 1218ھ 1803 کو رامپور میں ہوئی۔
- 2 امیر مینائی نے لکھا ہے کہ ”کلام اکثر تلف ہو گیا کچھ ہاتھ نہ آیا“ صفحہ 84 پھر بھی امیر مینائی نے ان کے چار کتب اور ایک ریختہ کا شعر دیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔
جو تو برسوں شکم میں صدف کے رہا ، تو میں بطن میں خم کے بگڑ کے بنا
یہی قطرہ مے نے گہر سے کہا ، تو اور نہیں میں اور نہیں
- 3 آپ نے 61 سال کی عمر میں یکم جمادی الآخر 1279ھ اکتوبر 1862 میں وفات پائی شکیب صاحب نے 1864 لکھا ہے جو سنہ 1279ھ کے مطابق نہیں ہے۔ (دیکھیے جوہر تقویم صفحہ 208، 209)
- 4 نوٹ: آپ شاعری میں آخون زادہ احمد خاں غفلت (م 1289ھ 23 دسمبر 1842) کے شاگرد تھے۔ ابن حکیم غلام رسول خاں کشمیری۔ ”اخبار الصنادید“ مولفہ حکیم نجم الغنی خاں نے عباس کی زبانی ان کے اخلاق کی کمزوری کا بیان کیا ہے اور ان کی جو میں عباس کے چند فارسی شعر بھی نقل کیے ہیں۔

مگر مشق سخن کرتے تھے۔¹ یہ چند اشعار ان کی یادگار ہیں قریب ساٹھ سال کا عرصہ ہوا کہ وہ اس ریاست (رامپور) میں سے تھے جب حرمین شریفین کی زیارت کے لیے جانے لگے تو ایک لاکھ روپیہ ان کے پاس تھا اس کی مکمل فہرست (دیگر مال کی) بنا کر نواب صاحب بہادر کی خدمت میں پیش کی۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ یہ سب آپ کا ہے۔ آج تک ان کے ورثا اس سرکار کی مہربانی سے رئیسانہ زندگی گزارتے ہیں۔

کیوں ڈراتا ہے سدا فخر و تلوار سے یار
قتل کرنا ہے تو کر ابروئے خمدار سے یار

قطعہ

جانا جانا نہ کرو بہر خدا اے جاناں
تسمیں انصاف کرو دل میں کہ اڑ سکتے ہو
ہم نے جانا جہاں جاتے ہو تم اس پیار سے یار
مجھ سے مکّار سے غدار سے عیار سے یار
کیونکہ مایوس ہو جھنجھلانے سے تیرے آزاد
بوئے اقرار ہے آتی ترے انکار سے یار

حنائی پاورخ لالہ گوں کے دھیان میں ہیں
بھلا میں کیونکہ کہوں تم کو پاک دامن ہو
گہے زمیں میں ہیں گاہ آسمان میں ہیں
اگرچہ قسمیں تمہاری مری زبان میں ہیں
ٹھکانے دم نہیں، منہ زرد، آنکھ نیچی ہے
یہ سب غلط سہی آئینہ میں تو دیکھ ذرا
ابھی تو پان و مٹی سے تمہیں نہیں بہرہ
یہ کس کے ہونٹوں کے رنگ آپ کے دہان میں ہیں

غلط ہے یہ کہ بو، تجھ میں سب دلہن کی سی
نزاکت اس تن بے مثل کی بیاں کیا ہو
دلہن میں ہوتی ہے بو، تیرے پیرہن کی سی
مگر یہ کہتا ہوں ایک بات اپنی، فن کی سی
برہنہ تیج پہ پھولوں کے شب جو سویا ہے
تمام جسم پہ تصویر ہے چمن کی سی

1 شاعری میں آخون زادہ غفلت کے شاگرد تھے۔

فہم پہ تیرے ہنسی آتی ہے مجھ کو آزاد پھوٹی ہی نہیں کہتا ہے مری بات کہیں
جا بجا کرتے ہیں چرچا تری بد وضعی کا دو کہیں، چار کہیں، پانچ کہیں، سات کہیں

احمد خاں ملک احمد

احمد تخلص، احمد خاں ملک برادر کریم خاں ملک مشہور بہ گھیر والا جو چوک محمد سعید خاں سخی کے قریب ہے۔ روہ واقع کوہستان تیراہ کے روسا عالی خاندان سے تھے۔ پشتو زبان اور اپنے ملک کے تاریخی حالات کے جاننے میں مشہور تھے۔ ان کے ایک بھائی نے ایک دیوان پشتو زبان میں لکھا۔ اردو غزلیں، چہار بیت کے انداز پر کہنے میں مشہور ہیں جو افغان قوم کی پسندیدہ صنف ہے۔ ان کے بھائی کریم خاں¹ بھی شعر کہتے ہیں اور خورشید تخلص کرتے ہیں۔ یہ اشعار احمد خاں کے ہیں قریب پچاس² سال ہوئے (احمد نے) اس دار فانی سے رحلت کی۔

ترک ملنا جب ان بتوں سے کیا چھوڑے گانو کا پھر ہے کیا ناتا
نائی کا آئینہ ہے یہ فرقہ جس نے دیکھا اسی نے دیکھ لیا
خوب احمد سمجھ گئے تم بھی سر یہ سہلا کے کھاتے ہیں بھیجا

1 مولوی کریم خاں خورشید کمال زی چہار بیت کے اچھے شاعر تھے اور شاعری میں صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خاں کفایت کے شاگرد تھے۔ اسی سال کی عمر میں 1254ھ 1838ء کو وفات پائی۔ ”انتخاب یادگار“ میں امیر بینائی نے ان کا حسب ذیل شعر لکھا ہے۔

وہ رشک قمر آیا مے نوشی کے عالم میں

ہم سینے سے جا لپٹے بے ہوشی کے عالم میں

2 احمد نے 25 سال کی عمر میں 8 شعبان 1221ھ 1 اکتوبر 1806ء کو وفات پائی۔

آئی نہیں خبر ہے کئی دن سے یار کی تسکین کیونکہ ہووے دل بے قرار کی
وہاں سر میں درد ہووے تو یہاں دل میں ہوک ہو کمبخت آگ کیا ہے بری دل کی، پیار کی
احمد سے اس کے ملنے کی سوگند لیجیے کھاتا نہیں قسم وہ مگر ایک بار کی

تو سیر کو گئی کیا مثل صبا چمن میں اپنا سا منہ بنا کے گل رہ گیا چمن میں
شمشاد سن کھڑی ہے اور بید کانپتا ہے جانے سے جان تیرے یہ گل کھلا چمن میں
اے جان تیرے صدقے یہ بھی انھیں دکھا دے احمد کے پاس رہ جا، ایسے میں آچمن میں

مر گئے تو بھی نہ دیکھا مجھے جانی تو نے جاں فشانی کی مری قدر نہ جانی تو نے
خط کتابت تو بڑی بات ہے پیارے اب تک مجھ کو بھیجا بھی نہ پیغام زبانی تو نے

عنبر شاہ خاں آشفہ

آشفہ تخلص، عنبر شاہ خاں نام¹ قوم کے افغان، رامپور کے رہنے والے تھے۔ فارسی اور خاص طور پر انشا پردازی میں ایسی مہارت حاصل کی تھی کہ اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ ”بہار عنبر“ و رسالہ ”جوہر عنبر“ اور دوسرے مختلف رسالے ان کی تصانیف ہیں²۔ کہتے ہیں کہ استاد کبیر خان کے شاگرد تھے۔ ان کے زمانہ میں مولوی غلام جیلانی اور حافظ بدھا بھی فارسی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ مشہور ہے کہ عنبر شاہ خاں ایک مرتبہ روزگار کی تلاش میں ہالہڈ صاحب ضلع نج مراد آباد کے پاس گئے۔ اپنی انشا نویسی کو پایہ ثبوت تک پہنچایا۔

1 آپ کے والد کا نام عزت خاں مشہور بہ صورت خاں ابن رضا خاں تھا۔
2 تذکرہ کاملان رامپور میں حافظ احمد علی شوق نے آپ کی بارہ تصانیف کے نام لکھے ہیں۔ جن میں دو دیوان اور ایک اساتذہ کے منتخب اشعار کی بیاض ہے۔ لیکن ”وفیات مشاہیر اردو“ میں بشارت علی خاں فروغ نے آپ کی 14 تصانیف مع نام کے گنائی ہیں۔

ہالہڈ صاحب جو اس علم (انشا پردازی) سے کوئی خاص واقفیت نہیں رکھتے تھے مگر ان کے دفتر کے ملازمین ان (آشفٹہ) سے حسد کرنے لگے اور کہا کہ آپ کی تحریروں میں یہ پریشانی اور دشواری ہے (وہ) مشکل دور ہوگی یعنی کہ جس جگہ آپ کے خطوط بھیجے جائیں گے۔ آپ کو بھی جانا پڑے گا کہ اس کا مطلب سمجھاؤ۔ شاباش اس قدر دانی پر۔ کبھی کبھی اردو میں شعر بھی کہتے تھے۔ چالیس سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ انھوں نے اس دنیا سے فانی سے سامان سفر باندھا۔¹

سدا مجاور میخانہ پارسا رکھے
بتان ہند سلامت تمھیں خدا رکھے

قلق سے ہوش میں یہ دل رہا رہا نہ رہا کوئی دم آپ میں بسمل رہا رہا نہ رہا
جو یوں ہی آپ کی غیروں سے صحبتیں ہیں تو اب دل اپنا آپ پہ مائل رہا رہا نہ رہا
آشفٹہ اس کی ٹندیٰ خو سے شب وصال ناگفتہ اپنے جی میں میرا دعا رہا رہا نہ رہا

کیوں چھینتا ہے، ہاتھ سے شیشہ کو مست کے ہم مختب خراب ہیں روز الست کے

صاحبزادہ محمد بخش اللہ خاں بخشش

بخشش تخلص، صاحبزادہ محمد بخش اللہ خاں خلف صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خاں خلف نواب محمد نصر اللہ خاں خلف نواب محمد عبداللہ خاں خلف نواب علی محمد خاں بانی ریاست رامپور۔
عمر مستعار کو صاحبزادوں کی طرح عیش و عشرت میں بسر کرتے تھے۔ صرف یہ چند اشعار کے ان کی یادگار کے طور پر باقی ہیں۔ شاعری کرتے تھے مگر ان کے اشعار حاصل نہیں ہوئے۔ اچھی حیثیت کے مالک تھے۔ اپنوں کی مدد کرتے اور بقدر ضرورت فیاض و بہادر تھے۔ دس سال سے زیادہ وقت ہوا کہ اس جہان سے رخصت ہوئے۔

1 شوق نے ”تذکرہ شیم سخن“ کے حوالہ سے تاریخ وفات 1239ھ لکھی ہے۔ بشارت فروغ صاحب نے ”وفیات مشاہیر اردو“ میں آپ کی ولادت 1768 اور وفات 1834 بمقام رامپور لکھی ہے۔

بوئے گل سوئے چمن ناقہ سوار آتی ہے مژدہ اے قیس کہ لیلائے بہار آتی ہے
لگ گیا تھا جو شب وصل پسینہ اس کا صاف تکیہ میں سے بوئے تن یار آتی ہے

شیخ علی بخش بیمار

شیخ علی بخش بیمار¹ بریلی کے رہنے والے تھے مگر رامپور میں رہنے لگے تھے۔ کچھ خاص پڑھے لکھے نہیں تھے۔ شعر کہنے میں ہر طرح کی مشق حاصل کی تھی۔ بہت سے صاحبزادگان (نوابان رامپور کے فرزند) اور ان کے خاندان والوں نے ان سے اصلاح لی جن میں صاحبزادہ مہدی علی خاں بہادران کے (خاص) شاگرد تھے اور استاد کے تخلص کی مناسبت سے نحیف تخلص اختیار کیا۔ یہ ان کی غزل ہے ان کا کلام رامپور میں کافی موجود ہے مگر میں اسی (نمونہ کلام) پر اکتفا کرتا ہوں۔ ”مثنیٰ نمونہ از خروارے“ (کہ ڈھیر میں سے ایک نمونہ کافی ہے) بیس سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ اس دنیا سے انتقال کیا۔²

غزل

تار آہن سے میں جیوں جیوں دیے جل جل ٹانگے توڑ ڈالے دل بیتاب نے ہل ہل ٹانگے
جیوں شفق میں نظر آتی ہے کرن سورج کی نکلے وہ سرخ دوپٹے پہ مسلسل ٹانگے
ہے نقاہت سے نمایاں یہ رگ و پے کا حال یا لگے ہیں ترے زخمی کے مسلسل ٹانگے

-
- 1 بیمار کے والد کا نام شیخ غلام علی تھا جو آنولہ ضلع بریلی کے ساکن تھے۔ انھیں کے گھر 1204ھ 1790 میں بیمار کی ولادت ہوئی۔ شاعری میں پہلے غلام ہمدانی مصحفی امرہ ہوی (م 1824) اور پھر احمد خاں غفلت رامپوری کے شاگرد ہوئے۔ بیمار کے شاگردوں میں نظام رامپوری (م 28 اکتوبر 1872) کا نام بھی قابل ذکر ہے۔
- 2 شیخ علی بخش بیمار نے 24 ربیع الاول 1271ھ 1854 وفات پائی اور رامپور میں ہی دفن ہوئے۔ رامپور رضا لاہوری میں بیمار کا ایک دیوان بخط بیمار موجود ہے۔

مژدہ اے مرگ کہ اپنے دل مضطر کے سبب زخم ناسور ہوئے گر گئے گل گل ٹانکے
 ہے یہ شہباز دل اپنے کو ہوائے دیدار دیدہ زخم کے اب توڑے ہے پل پل ٹانکے
 قطرہ خوں کے عوض نکلے شرر کیا بیمار ہو گئے خاک ہراک زخم کے جل جل ٹانکے

کب تک جفائیں تیری ستم گار کھینچے آ کر بغل میں مجھ کو اب اک بار کھینچے
 بیمار پھر اگر کسی دل دار سے ملے سولی پہ اس کو شکل گنہ گار کھینچے

یوں چمکتے ہیں وہ دندان لب خنداں کے تلے جس طرح سلک گہر پارہ مرجاں کے تلے

ولہ

دل چاک چاک ابروئے خمدار نے کیا کعبہ کو کربلا تری تلوار نے کیا
 تارے بنے ستارے گرے جتنے کفش سے رستہ کو کہکشاں تری رفتار نے کیا
 کیوں ہوتے جتنی نہ ہوئے گرشہید قبضہ بہشت پر تری تلوار نے کیا
 آنسو ہنسی میں آنکھ سے ان کے ٹپک پڑے صحت کا غسل مردم بیمار نے کیا

صاحبزادہ محمد عباس علی خاں بیتاب

بیتاب تخلص، صاحبزادہ محمد عباس علی خاں¹ خلف صاحبزادہ محمد عبدالعلی خاں عرف مجھلے صاحب خلف نواب غلام محمد خاں (ابن نواب فیض اللہ خاں) خلف نواب علی محمد خاں بانی ریاست رامپور۔ علم و فضل، کمالات ظاہری و باطنی اور اخلاق و بردباری میں اپنی مثال نہیں رکھتے ہیں۔ خدا انھیں زندہ رکھے۔²

-
- 1 محمد عباس علی خاں بیتاب شاعری میں حکیم مومن خاں مومن کے شاگرد تھے۔ ”گلشن بے خار“ میں لکھا ہے کہ ”خان والا شان مومن خاں کے شاگردوں میں ہیں“ (گلشن بے خار صفحہ 34 مطبوعہ اردو اکیڈمی لکھنؤ) بیتاب فانتون کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت تک زندہ تھے۔ آپ نے 6 جون 1883ء، 29 رجب 1300ھ میں وفات پائی۔ ایک دیوان ”دیوان بیتاب“ (قلمی) اور ایک قصیدہ ”قصیدہ بیتاب“ (قلمی) رضا لاہوری رامپور میں محفوظ ہے۔
- 2 فانتون نے ان کا نمونہ کلام بھی نہیں لکھا ہے۔ راقم الحروف نے دوسرے ماخذ سے یہ دو شعر ان کے ترجمے میں نقل کر دیے ہیں۔

ضد تو دیکھو کہ نہ کی غیر کی جانب داری بولنا یوں بھی انھیں ہم سے گوارا نہ ہوا
گو صبر ہے عشاق کا شیوہ پہ ستم گر جب جی ہی پہ بن جائے تو پھر کیا نہیں کرتے

استاد کبیر خاں تسلیم

تسلیم تخلص، استاد کبیر خاں نام¹ قوم کے افغان رامپور کے ساکن تھے، فارسی میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ چند رسالے فن فصاحت و بلاغت میں لکھے۔ فارسی کے علاوہ کبھی کبھی اردو زبان میں بھی شعر کہتے تھے۔ یہ ایک شعران کا یادگار ہے۔ پچاس سال² سے زیادہ (وقت) ہوا کہ اس جہان ناپائیدار سے رخصت ہوئے۔

صبا کس گل کے آنے کا چمن میں کہہ گئی مژدہ
کہ ہر اک غنچہ ہنستا ہے ہر اک گل کھلکھلاتا ہے

سید تراب شاہ تراب

تراب تخلص، سید تراب شاہ خلیف سید امیر شاہ ساکن محلہ دو محلہ، ہوش مراد آبادی کے شاگرد ذہین اور صاحب علم شخص تھے۔ اردو، فارسی زبان میں اچھے شعر کہتے تھے۔ یہ چند شعران کے ہیں۔ نواب محمد نصر اللہ خاں (م 24 نومبر 1801) کے زمانہ میں تھے۔ پینسٹھ سال ہوئے کہ اس دنیا سے انتقال کیا۔³

در دل من جا گرفت الفت سنگین دلی
حیف کہ گریدہ است دیدہ و دل وقف سنگ

1 تسلیم کے والد کا نام محمد امیر خاں تھا۔ شاعری میں مولوی غلام جیلانی رفعت رامپوری کے شاگرد تھے۔

2 ستر سال کی عمر میں 1251ھ 1835ء کو رامپور میں وفات پائی۔

3 تراب شاہ نے 1226ھ 1811ء کو رامپور میں وفات پائی۔

ولہ

حیف اس سے معاملہ ٹھہرا ابتدا سے دعا ہے جس کا کام
دیکھئے اے تراب کیوں کہ بنے عشق کا کس طرح سے ہو انجام

قطعہ

ہم نے بن تیرے اے گلِ خوبی گل کو گلشن میں بھی نہیں دیکھا
بس ترا ہی خیال دل میں رہا کسی گل رُو کو گر کہیں دیکھا

قطعہ

برائخت از سینہ یک آہ سرد چو بلبل گذر کرد در گلستان
بگفتا درین جا گل و برگ بود صد افسوس تاراج کردش خزان

شیخ سیف اللہ ثاقب

سیف اللہ ثاقب خلف کفایت اللہ بریلوی، قوم شیخ، کافی عرصہ سے رامپور میں مقیم تھے۔ پڑھے لکھے قابل شخص تھے۔ ریاضیات میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ آزاد طبیعت اور فقرا سے لگاؤ رکھنے والے تھے۔ ایک دن نظیر شاہ خاں¹ سے ملاقات ہوئی۔ شعر سننے کی خواہش ظاہر کی اور ایسا ظاہر کیا جیسے فن شاعری سے ناواقف ہوں۔ نظیر شاہ خاں نے دو تین اشعار سنائے۔ کہا کہ

1 نظیر شاہ شادابن غلام محمد خاں، عربی فارسی ادبیات اور فن شعر گوئی میں کریم الدین آرزو مراد آبادی کے شاگرد تھے۔ ایک قصہ ”لیلیٰ مجنوں“ فارسی نظم میں لکھا تھا جو تلف ہو گیا۔ 1241ھ 1825ء کو رامپور میں وفات پائی..... امیر مینائی نے ان کا ایک فارسی شعر لکھا ہے ے

اے فلک تا چند سازی این جفا و جور با روی او یک بار بنما باز جان ما بگیر

اپنا کلام بھی منظر عام پر لانا چاہیے۔ کہا کہ میں اس بوستان کی ہوا سے بالکل ناواقف ہوں۔
نظیر شاہ نے دوبارہ کہا کہ اگر جناب کے قدم سر زمین شعر میں نہ پہنچتے (تو) اس خاکسار کو ہرگز
شاعری کی طمع نہ ہوتی۔ اس کلام کو سن کر انھیں ہنسی آگئی اور بڑے ناز سے یہ شعر پڑھا۔

یار را از من خیالی دیگر است

بر لبم ہر لحظہ قالی دیگر است

نظیر شاہ خاں یہ شعر سن کر خوش نہیں ہوئے خاموش رہے اور داد نہیں دی اس پر سیف اللہ
نے رنجیدہ ہو کر کہا

صائب دو چیز می کشند¹ قدر شعر را

تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس²

اس پر نظیر شاہ نے جواب دیا کہ اے بھائی! تم نے بہت صحیح کہا۔ مگر ابھی استاد کی
ضرورت ہے۔ (ثاقب نے) کہا اصلاح کر دیجیے۔ (نظیر شاہ) بولے میں دوسرے دن صبح ہی
وہ اپنے گھوڑے پر، سیف اللہ کو اپنے استاد کریم الدین آرزو کے پاس مراد آباد لے گئے
اور سیف اللہ سے کہا۔ اپنا کل والا شعر پھر سناؤ جب سیف اللہ نے اپنا شعر سنایا

یار را از من خیالی دیگر است

بر لبم ہر لحظہ قالی دیگر است

کریم الدین آرزو نے شعر کو بغرض اصلاح یوں پڑھا۔

یار را از من خیالی دیگر است

گرچہ جان من بحالی دیگر است

1 اصل متن میں یوں ہی ہے۔ بجائے می کشند، می کشند درست ہے۔

2 اے صائب دو چیزیں شعر کی اہمیت کو ضائع کر دیتی ہیں ایک نا سمجھ کی تعریف کرنا دوسرے سمجھ دار کا
خاموش رہنا۔

سیف اللہ اسی وقت کریم الدین آرزو کے شاگردوں میں شامل ہو گئے کہ وہ ایک مستند استاد تھے۔ اور ایک سال تک ان کی خدمت میں رہ کر فن شاعری کے اسرار و رموز کے ماہر ہو گئے اور علم عروض و قوافی کی باریکیوں کو سیکھا اور واپس راہپور آئے اور ایک مثنوی ”بنات العش“ تصنیف کر کے اپنے بھائی ہدایت اللہ کو بھیجی۔ اچھے شعر کہتے تھے۔ شعری صلاحیت ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ نواب محمد نصر اللہ خاں کے زمانہ میں تھے۔ پینسٹھ سال کا عرصہ ہوا انتقال کیا۔¹

تراب شاہ تراب کے ہم زمانہ تھے۔

بنام کہ نامش بود دل نشین مثنوی بہ کن آفریدہ زمان و زمین²

غزل

سر فدای قدم جانان است دیدہ صرف رخ مہ رویان است³
 جان کشد رنج فراقش ہمہ روز دیدہ دل ہمہ شب گریان است⁴
 میرسد یار بہ آن راز خفی کہ درون دل من پنهان است⁵
 دور از آرزوی خود گشتم بر من این ہم ستم دوران است⁶
 واصلان را شب مہ پیدا شد شب تار از پی مجبوران است⁷
 تا غباری نشیند بر پاش چشم من فرش رہ جانان است⁸

1 سیف اللہ ثاقب نے 1226ھ 1811ء کو راہپور میں وفات پائی۔

2 اس کے نام سے جس کا نام دل نشین ہے، جس نے لفظ ”کن“ سے زمین و آسمان پیدا کیے۔

3 سر محبوب کے قدموں پر فدا ہے، آنکھیں مہ رخوں کے چہرے کے طواف میں مصروف ہیں۔

4 اس کی جدائی کا غم ہر دن جان کو پگھلاتا ہے۔ دل کی آنکھ رات بھر روتی ہے۔

5 دوست اس چھپے ہوئے راز تک پہنچ گیا ہے جو کہ میرے دل میں چھپا ہوا ہے۔

6 میرے اوپر یہ بھی زمانہ کا ظلم و ستم ہے کہ میں اپنی آرزو سے دور ہو گیا ہوں۔

7 جسے محبوب مل گیا اس کے لیے رات، چاندنی رات ہے، اور ہجر کے ماروں کے لیے وہی اندھیری رات۔

8 (اسی لیے) میری آنکھیں جانان (محبوب) کے راستے میں پھٹی ہوئی ہیں کہ کہیں اس کے پیروں سے آلود نہ ہو جائیں۔

باز آورد صبا بوی کسی به سرو چشم من این احسان است¹
 آرزو رحمت حق بر گورت بی تو شعرم جسد بی جان است²
 وای طول شب بجز ثاقب عمر خضر است کہ بی پایان است³

فرد

ای صبا اکنون بیار از کوچہ جانان غبار مدتی شد دیدہ با سرمہ نگردیدست یار⁴

صاحبزادہ محمد جعفر علی خاں جعفر

تخلص جعفر، صاحبزادہ محمد جعفر علی خاں خلف نواب محمد نظام علی خاں خلف نواب محمد فیض اللہ خاں ریاست رامپور کے رئیس تھے۔ فارسی میں مکمل استعداد رکھتے تھے۔ اس بڑے گھرانے کے صاحب عزت صاحبزادوں کی طرح اپنی زندگی عیش و آرام سے گزارتے تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے یہ چند شعر ان کی یادگار کے طور پر اس تذکرے میں شامل کیے جاتے ہیں۔ (نمونہ کلام نہیں ہے)

-
- 1 صبا (ہوا) پھر کسی کی خوشبو لائی ہے میرے سر آنکھوں پر اس کا یہ احسان ہے۔
 - 2 آرزو (مولوی کریم الدین آرزو مراد آبادی جو ثاقب کے استاد ہیں) آپ کی قبر پر اللہ کی رحمت ہو، آپ کے بغیر میرے شعر ایسے ہیں جیسے بغیر جان کے جسم۔
 - 3 ہائے ثاقب کی شب بجز کی لمبائی (جیسے) خضر کی عمر کہ جس کا کوئی اور چھوڑ ہی نہیں۔
 - 4 اے صبا اپنے محبوب کی گلی سے دھول ہی اٹھا کر لا دے (تاکہ اسی سے چشم مجھ کو پر کر لوں یا اسی کو آنکھوں میں ڈال کر محبوب کے دیدار کی خواہش پوری کر لوں) یا کہ کو تو آنکھوں میں سرمہ ڈال کر ادھر آئے ہوئے مدت ہو گئی۔

مولوی جلال الدین خاں جلالی

مولوی جلال الدین احمد خاں جلالی¹ دارالسرور رامپور کے افغانوں میں سے ہیں۔ فی الحال بے پور میں رہتے ہیں۔ سرکار انگلشیہ اور ہندوستان کی دوسری ریاستوں، راجستھان وغیرہ میں اچھے عہدوں پر مامور رہے۔ آزاد طبیعت، نیک کردار، پرہیزگار و متقی اور صوفی منش ہیں۔ عبادت و ریاضت کا بہت دھیان رکھتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں مکمل سلوک حاصل کیا۔ مولوی شاہ احمد سعید² صاحب نقشبندی مجددی دہلوی خانقاہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مریدوں میں سے ہیں۔ اکثر ان پر واردات فقر طاری ہوتے ہیں۔ ان کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہے۔ بے مثال کامل اور لاجواب نظم گو و شاعر ہیں۔ راجستھان میں اپنی استاد کا ڈنکا بجایا ہے۔ زمانہ بھر میں یکتا و تنہا ہیں۔ ان کا اردو فارسی کلام ارباب کمال کے لیے تحفہ ہے۔

1 جلالی کے والد کا نام ”انتخاب یادگار“ میں حاجی رحیم الدین خاں لکھا گیا ہے اور ”وفیات مشاہیر اردو“ میں فروغ صاحب نے حاجی رحیم الدین احمد خاں بتایا ہے۔ ”تذکرہ کالملاں رامپور“ میں آپ کا تخلص اور نام دونوں ”جلال“ بتائے گئے ہیں۔ اس کے مصنف کا بیان ہے کہ ”قوم افغان محلہ بنگلہ آزاد خاں میں رہتے تھے، رامپور میں 25 شوال 1245ھ کو پیدا ہوئے“ (صفحہ 89)

2 مولوی احمد سعید خاں ابن شاہ ابوسعید، رامپور کے نامور مشائخ صوفیہ کرام میں سے تھے۔ ”کالملاں رامپور“ میں آپ کے تفصیلی حالات درج ہیں اور آپ کو کئی اہم کتابوں کا مصنف بتایا گیا ہے۔ آپ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے مرید و خلیفہ خاص تھے۔ یکم ربیع الاول 1217ھ جولائی 1802 کو رامپور میں ولادت ہوئی اور 1277ھ 18 ستمبر 1860 کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

خلاصہ غزلیات فارسی

- الہی مہربان کن برمن این بیداد کیشان را¹ نہند از تیغ خود برگردن من طوق احسان را
پس از قتلیم ز کولیش نعلش بردارند از شفقت² بود خنم بگردن فرقہ احباب و خویشان را
درین شہر است طفل برہمن شوخی پری زادی³ خدا حافظ مسلمانان نگہدارید ایمان را

ولہ

- کشتہ است شوق بوسہ ساق نگار ما⁴ ز بید کہ شمع طور شود بر مزار ما
ممنون ناتوانی خوشیم کہ بعد مرگ⁵ ہر گز نشد ز کوچہ جانان غبار ما

ولہ

- برد خوی سادہ خوش نگاری کردہ ام پیدا⁶ ز آرائش ہمہ تن سادہ کاری کردہ ام پیدا

-
- 1 اے اللہ! مجھ پر ان ظالموں (محبوبوں) کو مہربان کر دے، کہ یہ اپنی تلوار سے میری گردن میں احسان کا چاڈا ل دیں۔
 - 2 میرے قتل کے بعد میرے عزیز و اقربا بوجہ شفقت، میری لاش کو اس کی گلی سے اٹھا لائے، حالانکہ میری دلی تمنا تھی کہ اس کے عشق میں قتل ہو کر اسی کی گلی میں پڑا رہوں۔ اس لیے میرے خون کی ذمہ داری انھیں (عزیز و اقربا) کی گردن پر ہے۔
 - 3 اے مسلمانو! تمھارا اب خدا حافظ ہے۔ اپنے ایمان کی حفاظت کرنا کیونکہ اس شہر میں اک پری زاد شوخ برہمن بچہ (لڑکا) رہتا ہے۔
 - 4 ہم اپنے محبوب کی پنڈلی کے بوسے کے شوق میں مارے ہوئے ہیں، بہت مناسب ہے کہ ہمارے مزار پر شمع جلا کرے۔
 - 5 میں اپنی ناتوانی (کمزوری) کا احسان مند ہوں کہ موت کے بعد، محبوب کی گلی سے ہماری مٹی کسی صورت نہیں اٹھی۔
 - 6 چاہا۔ میں نے ایک خوبصورت حسین و جمیل محبوب کو اپنا لیا ہے۔ جس کی سادگی ہی اس کے پورے بدن کی آرائش کا سامان ہے۔

تمامی غیرتی عین حیائی جملہ آزاری ہمہ شری سراپا ننگ و عاری کردہ ام پیدا¹
جلالی می نیازم وصف ہای سادہ پرکاری سخن کوتہ بلای روزگاری کردہ ام پیدا²

ولہ

ز رامپور جلالی بہ جے پور افتادم کہ می دہد خبر خوش ازان دیار مرا³

ولہ

نو بہار آمد بدستم ساغر و مینا خوش است توبہ را بشکستن و نوشیدن صہبا خوش است⁴
سیر و گلگشت گلستان و لب دریا خوش است رندی و مخموری و بیہوشی و سودا خوش است⁵
چشم دارم دیدہا مالم بخاکت یا رسول مردک وارا زمرہ جاروب ساز بہا خوش است⁶
ای جلالی عاشقان پنجتن را بی گمان از غیر خلد خاک پشب و بطحا خوش است⁷

1 میں نے اس کی محبت میں ساری شرم و حیا اور ساری آزادی و خواری کو چھوڑ کر سر سے پیر تک بدنای
و بے شرمی اور شر کو اختیار کر رکھا ہے۔

2 اے جلالی! اس سادہ، پُرکار محبوب کی تعریف مجھ سے کب بیان ہو سکتی ہے۔ بس مختصر یہ ہے کہ زمانے
کی ایک مصیبت کو اپنا رکھا ہے۔

3 اے جلالی! میں رامپور سے جے پور آ گیا ہوں اب کون ہے جو مجھے اس دیار کی خوشخبری دیتا ہے (یعنی
کون ہے جو دوبارہ مجھے رامپور لوٹ جانے کی مبارک خبر سناتا ہے)

4 بہار کا موسم آ گیا، میرے ہاتھ میں ساغر و مینا کیسا اچھا لگتا ہے (اب) توبہ کا توڑنا اور شراب کا پینا ہی
اچھا ہے۔

5 گلستاں، دریا کے کنارے کی سیر و تفریح ہی میری پسندیدہ ہے، رندی، مخموری، بے خودی اور جنون ہی
مجھے بھاتا ہے (یا اچھا لگتا ہے)۔

6 اے رسول (محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں منتظر ہوں کہ کب آپ کے روضے کی خاک سے
اپنی آنکھوں کو ملوں اور اپنی پلکوں سے آپ کے آستانہ مبارک کی جاروب کشی کی خوشی پاؤں۔

7 اے جلالی! پنجتن کے عاشقوں کے لیے بلا شک جنت کی خوشبودار مٹی سے کہ مدینہ کی خاک اچھی ہے۔

ولہ

کارم بہ درد ہجر چہ بسیار نازک است دل درخروش و خاطر دلدار نازک است¹
 لب از خیال بوسہ چو سون کبودی است لعل لبش بہین کہ چہ مقدار نازک است²
 فریاد کردے ز ستمگاری رقیب لیکن مزاج اقدس سرکار نازک است³
 عزت گزین جلالی ازیں جا بہ کر بلا
 ترسم ازیں زمانہ کہ بسیار نازک است⁴

بخدمت مرشد خود نوشتہ بود

لوحش اللہ ذات تو آئینہ ذات حق است طالب غیر است گر خواہان درگاہ تو نیست⁵
 نغمہ منصور گر خوانی حق است ای حق شناس غیر حق در دیدہ حق بین و حق خواہ تو نیست⁶

-
- 1 جدائی کے درد سے میرے دل کا معاملہ (کام) کتنا مشکل ہو گیا ہے کیونکہ دل عشق کے سبب جوش و خروش میں ہے اور محبوب کا مزاج بہت نازک ہے۔
 - 2 اس کے ہونٹ بوسے کے خیال سے کبودی، نیلے پڑ گئے ہیں۔ اس کے لعل جیسے ہونٹوں کو دیکھو تو کس قدر نازک ہیں۔
 - 3 میں رقیب کے ظلم و ستم کی فریاد کرتا مگر (ڈرتا ہوں کہ) سریار، محبوب کا مزاج بلند نازک ہے۔ (میری شکایت سے کہیں مکر یا بد مزہ نہ ہو جائے)
 - 4 اے جلالی! یہاں سے کر بلا جا کر گوشہ نشین ہو جا۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ زمانہ بہت نازک ہے۔
 - 5 اللہ اللہ آپ کی ذات، ذات حق کا آئینہ ہے، جو آپ کی درگاہ کا طالب نہیں وہ غیر اللہ کا طالب ہے۔
 - 6 اے مرشد حق شناس! اگر آپ منصور کا ترانہ گائیں تو آپ کو حق ہے کیونکہ آپ کے دیدہ حق ہیں اور حق خواہ میں حق کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔

ولہ

مسلک وصل صنم غیر از سر راہ تو نیست
وحدت و کثرت بہم جز ذات والای تو نیست¹
دست تو بادست حق ہمدست ای دستم بگیر
گرچہ دست من سزاوار کف پای تو نیست²

ولہ

بیا بر حال ما بہر خدا بین
بخاک و خون طہیدن ہای مابین³
مرا تسکین شود حال تو بینم
یکی خود ہم تو روی خویش را بین⁴
بقتل آید و ششیر در دست
خرام ناز آن جان وفا بین⁵
عدو را کشت در دزدیدہ دیدن
جفای تازہ آن مرحبا بین⁶

ولہ

دوش در محفل ما تذکرہ روی تو بود
شع پروانہ رخسارہ دل جوی تو بود⁷
خوش لبا جلوہ کن از ناز برین لعش غریب
کین ہمانست کہ افتادہ سر کوی تو بود⁸
بکل تو لب فریاد نہ وا کرد بہ حشر
نخلتی در دلش آزردن بازوی تو بود⁹

- 1 آپ کی راہ کے سوا محبوب حقیقی کے وصل کا کوئی راستہ نہیں۔ آپ کی ذات والا صفات کے علاوہ (کہیں) وحدت و کثرت (اللہ اور مخلوق) یکجا نہیں۔
- 2 اے وہ ذات کہ تیرا ہاتھ حق کے ہاتھ میں ہے، میری دنگیری فرما۔ اگرچہ میرا ہاتھ تیرے تلوں کو چھونے کے لائق بھی نہیں۔
- 3 آ، ہمارے حال پر نظر کر، میرا خاک و خون میں تڑپنا دیکھ۔
- 4 ایک بار آپ خود بھی اپنا چہرہ دیکھیں (آپ کا بھی میرے جیسا حال ہو جائے گا) آپ کا حال دیکھ کر مجھے تسکین ہوگی کہ (”نہ تنہا من دریں میخانہ مستم“ کہ صرف میں ہی میخانے میں مست و بیخود نہیں ہوں)
- 5 وہ ہاتھ میں تلوار لیے میرے قتل کے لیے آتا ہے، اس جان وفا کا خرام ناز تو دیکھو۔
- 6 اس مبارک نظر کی جفائے تازہ تو دیکھو کہ رقیب کو دزدیدہ نگاہی سے ہی مار ڈالا۔
- 7 کل ہماری محفل میں تیرا ذکر تھا کہ شع خود تیرے دل بھانے والے رخساروں کا پروانہ بنی ہوئی تھی۔
- 8 اے خوش گفتار (یا اے خوبصورت ہونٹوں والے) اس غریب کی لاش پر جلوہ ناز فرما کہ یہ وہی ہے جو تیرے کو بچے میں پڑا ہوا تھا۔
- 9 تیرے بکل نے حشر کے دن فریاد کا لب نہ کھولا کہ اس پر تیرے ہاتھوں کو جو میرے قتل کرنے سے تکلیف ہوئی تھی اس کی شرمندگی ہے۔

ولہ

یک طرف جنبش ابرو زاد ا جان می خواست یک طرف غمزہ و انداز تقاضا می کرد¹
 زندہ گشتم ز دشنام لبش بعد از قتل قاتلی بود کہ اعجاز مسیحا می کرد²

ولہ

ترا زاہد بہ محشر این ریا کاری بکار آید مرا بر حال خود این گریہ وزاری بکار آید³
 نمی زبید ہمیشہ ای پری ظلم و جفا جوئی گہی مہر و وفا گاہی ستمگاری بکار آید⁴
 بفرقم جلوہ فرما باشد آن رشک مسیحا می الہی کے شود روزی کہ بیماری بکار آید⁵
 بحالم آن ستمگر مہربان خواہد شد ای ناصح مرا یک روزی بنی ہمین خواری بکار آید⁶

ولہ

جان بلب ہائی شکر خایت دہند دل بہ رخسار دل آرایت دہند⁷
 زندگی گیرند در معنی ز سر جان خود آنا نکہ در پایت دہند⁸

- 1 وہ ایک طرف تو ابرو کے اشارے سے جان طلب کرتا تھا، دوسری طرف غمزہ اور اس کا انداز مرنے کا تقاضا کر رہے تھے۔
- 2 قتل کے بعد اس کے لبوں کی لالی کے اعجاز سے زندہ ہو گیا وہ ایسا قاتل تھا جس نے حضرت مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح معجزہ کر دکھایا۔
- 3 اے زاہد! اگر تجھے محشر میں تیری عبادت ظاہری کام آئے گی تو مجھے اپنے حال زار پر کی گئی گریہ وزاری کام آئے گی۔
- 4 اے محبوب! یہ ہمیشہ کا جو رستم تجھے زیبا نہیں، کبھی مہر و وفا اور کبھی ظلم و ستم درکار ہے۔
- 5 یا الہی وہ دن کب آئے گا کہ میری بیماری کام آئے گی کہ وہ رشک مسیحا میرے سر ہانے جلوہ فرما ہوگا۔
- 6 اے ناصح! کسی دن تو دیکھے گا کہ میری یہ خواری ہی کام بنادگی اور وہ ستمگر میرے حال پر مہربان ہو جائے گا۔
- 7 عاشق تیرے شیریں لبوں پر (یعنی تیرے کلام پر) جان چھڑکتے ہیں اور دل تیرے دل آرا رخساروں پر ٹٹا کرتے ہیں۔
- 8 جو لوگ تیرے قدموں میں جان دیتے ہیں حقیقت میں حقیقی زندگی حاصل کرتے ہیں۔

تا نسوزی خویشتن را ہچو شمع¹ در میان بزم کے جایت دہند
چون سپند آتش بزیز پای باش² تا دل گرم و سخن رایت دہند
می فروشم من جلالی صد کتاب³ گر ز قرآن رخس آیت دہند

ولہ

بر دل من پیش رویت زان صف مژگان گذشت⁴ آنچہ بر قوم فرنگ از فوج ہندستان گذشت
در دیار عشق بی درمان بہ رنجوری خوشم⁵ در دم از ناز طبیب و منت درمان گذشت
شمع سوزان رنگ رو بازو بسوز سینہ ام⁶ پیش چشمم از سر دعوی خود نیسان گذشت
آن مریض چشم بہارت کہ جان در دیدہ داشت⁷ در خیال مہر رویت وی شب ہجران گذشت

ولہ

چہ زیبا سویم ای جان دیدن تو⁸ نظر دزدیدن و خندیدن تو
شہیدم ساخت ای جانانہ من⁹ بوقت بوسہ رو پوشیدن تو

-
- 1 جب تک تو شمع کی طرح خود کو جلانہ لے بزم تجھے کیسے اپنے بیچ میں جگہ دے گی۔
 - 2 جیسے سپند آگ میں جل کر مٹ جاتا ہے تو بھی اسی طرح (بزرگوں کے) قدموں کی خاک ہو جاتا کہ وہ اپنے نفس گرم سے اور سخن روح پرور سے مالا مال کر دیں۔
 - 3 اگر اس کے قرآن (جیسے) چہرے سے ایک آیت مجھے سو کتابوں کے بدلے میں دیں تو میں شوق سے فوراً خرید لوں۔
 - 4 اس کے روبرو میرے دل پر اس کی آنکھوں کی صف مژگاں سے وہ ماجرا گزرا جو فرنگی قوم پر ہندوستانی فوج سے گزرا تھا۔
 - 5 میں عشق لا علاج کے شہر میں اپنے حال رنجور سے خوش ہوں۔ میرا درد طبیبوں کے نازنخرے اور منت سماجت سے آزاد ہے۔
 - 6 جلتی ہوئی شمع کے چہرے کا رنگ میرے سینے کے سوز سے فق ہو گیا اور میری آنکھ کے سامنے اپنے دعویٰ سوز سے انجان بن گیا۔
 - 7 تیری چشم بیمار یعنی نہ کسی آنکھوں کا مریض جس کی جان آنکھ میں اٹکی تھی، کل تیرے چہرے کے سورج کے خیال میں ہجر کی شب چل بسا۔
 - 8 اے جان من! تیرا میری طرف دیکھنا کیا ہی خوب ہے تیرا نظر چرانا اور کھلکھلا کر ہنسا۔
 - 9 اے میری جان! بوسے کے وقت یعنی ملاپ کے وقت تیرے چہرے کے چھپانے کے انداز نے مجھے شہید کر دیا۔

بہ محشر منکشف خواهد شد ای جان بدعوی ستم جنیدن تو¹
کش خنجر کہ کار من تمام است ز تیغ زیر لب خندیدن تو²

ولہ

تیغ در دست و خراماست کنون قاتل تو حل شود ای دل بی صبر ہمہ مشکل تو³
روز محشر چه قیامت شود اللہ اللہ گر بیند رخ خوب تو و بمل تو⁴
کشتہ رشک عدویم کے شود جای رقیب با چنین نازکی ای جان من اندر دل تو⁵
لک جہان یچ از بادہ وصل تو مدام آہ ازین ظلم کہ بیرون شوم از منزل تو⁶

ولہ

ہر زمان شوق قد سرو بہ بستان کشدم باز این دل بسوی کوچہ جانان کشدم⁷
این بلا بر سر من این دل نادان آورد ورنہ زینگونہ چرا زلف پریشان کشدم⁸
از سر کوچہ او گر روم از جور رقیب شوق نظارہ او باز گریبان کشدم⁹

- 1 اے جان! محشر میں تیرا ستم کی باگ ہلانے کا دعویٰ ظاہر ہو جائے گا۔
- 2 خنجر نہ کھینچ (کیونکہ) تیرے زیر لب مسکرانے سے ہی میرا کام تمام ہو گیا۔
- 3 اے بے صبر دل تیری ساری مشکل بس حل ہوئی جاتی ہے کیونکہ اب تیرا قاتل ہاتھ میں تلوار لیے گھوم رہا ہے۔
- 4 اللہ اللہ محشر کے دن کیا قیامت ہوگی جب تیرا اسل تیرا حسین چہرہ دیکھے گا۔
- 5 ہم تو دشمنوں کے اس رشک کے مارے ہوئے ہیں کہ رقیب کی جگہ تیرے زم و نازک دل میں ہے۔
- 6 لاکھوں جہان بھی تیرے وصل مدام کے مقابلے میں یچ در یچ ہیں۔ اس ظلم سے فریاد ہے کہ میں تیری درگاہ سے دور کر دیا جاؤں گا۔
- 7 ہر وقت اس سرو قد کا شوق مجھے بوستان کی طرف کھینچتا ہے۔ لو پھر میرا دل مجھے کوئے جاناں کی طرف کھینچنے لیے جاتا ہے۔
- 8 میرے سر پر تو یہ بلا یہ نادان دل لایا ہے ورنہ زلف پریشان کیوں مجھے اس طرح کھینچتی۔
- 9 اگر رقیب کے ظلم سے میں اس کے کونچے سے چلا بھی جاتا ہوں تو اس کا شوق نظارہ پھر میرا گریبان پکڑ کر کھینچتا ہے کہ چل۔

تغ در دست و خراما نست بہ قتل دشمن¹ رشکم آید بہ گلو خنجر بران کشدم¹
 پایہ شعر جلالی بہ فلک می تازد² شاعران را قلمی بر سر دیوان کشدم²

ولہ

مژدہ باد ای دل از پیام کسی³ کہ گذاری شب بہ بام کسی³
 نیم بمل گذاشت آن بی رحم⁴ حیف بر ظلم ناتمام کسی⁴
 روز و شب خفتہ در کنار رقیب⁵ تو چہ دانی ز صبح و شام کسی⁵

ولہ

از ضعف بہ لب رسیدہ جانم⁶ آزرگی قضا ندانم⁶
 گویند ازو کنارہ جوئی⁷ دشمن شدہ اند دوستانم⁷
 این جور و ستم کہ اللہ اللہ⁸ گریند ز رحم دشمنانم⁸
 باید ز تو لطف و مہربانی⁹ گو دشمن جان شود جہانم⁹
 برپا شود ای صنم ز ظلمت¹⁰ در حشر قیامت از فغانم¹⁰
 ملجای جلالی است در حشر¹¹ محبوب خدای دو جہانم¹¹

- 1 تلوار ہاتھ میں لیے میرا محبوب دشمن کے قتل کے لیے چل دیا۔ میں رشک سے خود اپنے گلے پر تیز خنجر چلا رہا ہوں۔
- 2 جلالی کے شعر (شاعری) کا شہرہ فلک پر پہنچ چکا ہے میں شاعروں کے دیوان پر قلم پھیرتا ہوں۔
- 3 اے دل! تجھے کسے کے پیام کا مژدہ (خوش خبری) ہو کہ ایک رات کسی بالا خانے پر گزارے۔
- 4 اس بے رحم نے مجھے نیم بمل چھوڑ دیا، کسی کے ظلم ناتمام پر افسوس۔
- 5 دن رات رقیب کی گود میں سونے والے کسی کی صبح و شام کیسے گذرتی ہے اس کی تجھے کیا خبر۔
- 6 اگرچہ کمزوری سے میری جان لیوں پر آگئی ہے، مگر قضا و قدر کو آزرہ کرنا مجھے نہیں آتا۔
- 7 دوست میرے دشمن بن گئے، کہتے ہیں اس سے کنارہ کر لے۔
- 8 اللہ اللہ یہ ظلم و ستم کہ میرے دشمن بھی مجھ پر رحم کھا کر رو پڑے۔
- 9 چاہے دنیا میری جان کی دشمن بن جائے غم نہیں، بس تیرا لطف و مہربانی چاہیے۔
- 10 اے محبوب میری آہ و فغاں سے قیامت کے دن محشر میں اندھیرا آجائے گا۔
- 11 (انشاء اللہ) حشر میں جلالی کا ملجا و ماویٰ محبوب رب العالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

ولہ

چہ حاجت کشیۂ انداز را از تیغ ترسانی
بہ دشنامی لبی جنبانی و ابرو بجنبانی¹
بکشتن زندہ گشتم رستم از مرگ غم ہجران
ز تیغ قاتل سفاک خوردم آب حیوانی²
بہ چشم التفاتی دیدہ می دوزیم بر رویت
خطا باشد زما امیدواران چین پیشانی³
طیب چارہ گر نا حق کھد آزار در مانم
علاج نیست غیر از شربت سبب زنجانی⁴
زخون چشمہ دلہا بود سیراب شمشیرش
دواند ریشہ جوہر در زمین تیغ رخسانی⁵
نمی خواہد جلالی جز در شاہنشہ عالم
مرادشت مدینہ بہتر است از باغ رضوانی⁶

خلاصہ غزلیات اُردو

حسن خط آنے سے کیوں ہو تمام اس ماہ کا
یہ کتابی رخ پہ پہلا مد ہے بسم اللہ کا
کس کی قامت کا تصور آگیا یا رب کہ ہے
عالم شمع تجلی میری دود آہ کا
حسرت پامال رہوار صنم کا ہے غبار
کاش ہوتا میں بھی مشیت خاک جولان گاہ کا
بس کرو، لیتا ہے آخر حسن سے عشق انتقام
یاد ہوگا تم کو قصہ قید مصر و چاہ کا
جب درازی شب ہجراں ہوئی روزی ہمیں
کیا تردد عمر کے سر رشتہ کوتاہ کا
بندھ گیا ہے کس کی یار زلف کا سودا کہیں
نکلے ہے دل سے مرے پیچیدہ مصرعہ آہ کا

- 1 ہمارا قتل کرنے کی تیغ ترسانی کو کیا ضرورت ہے، ہم تو تیری دشنامی (گالیوں) جنبش لب اور ابرو کے اشارے سے شہید ہو جائیں گے۔
- 2 اس کے قتل کرنے سے میں تو زندہ جاوید ہو گیا، اس کی ظلم بھری تلوار سے میں نے آب حیات پی لیا۔
- 3 چشم التفات کی امید پر تیرے چہرے پر آنکھیں ہمائے ہوئے ہیں، ہم امیدواروں سے ماتھے کی ٹکٹن کے ساتھ ملنا اچھا نہیں۔
- 4 طیب بیکار میرے علاج میں سرگرداں و پریشان ہیں۔ میرا علاج تو اس کی ٹھوڑی کے گڑھے کے پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔
- 5 اس کی شمشیر ہمارے دل کے چشمہ زخوں سے سیراب ہو گئی ہے، اور اس کی تلوار کے جوہر پر ہمارا خون دوڑتا ہے۔
- 6 جلالی دنیا کے بادشاہوں کے بادشاہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ کسی کو نہیں چاہتا۔ اس کے لیے تو جنت کے باغوں سے مدینہ کا صحرا اچھا ہے۔

خط سے ملتا ہے پتا اُس کے دہن کا دائے رشک سبزہ نوحیز تو یوں خضر ہو اُس راہ کا
کیا شکایت ہے متاع بے بہا کیوں کر ملے مدعا بے مدعا کی ہے دل آگاہ کا
ایک عالم کو سدا مہر جلالی کیوں نہ ہو
ذرہ ہے خاک در پاک رسول اللہ کا

دلہ

گرد پیشانی خلعت اور عرق نشویر کا آب و گل ہے یہ دل ویرانہ کی تعمیر کا
خارغم دل سے مرے گا ہے نکلتا ہی نہیں یہ بھی اے ابرو کماں پیکاں ہے تیرے تیر کا
آئی ہے اُن کے لب جاں بخش پر ہنگام قتل مرتبہ اللہ اکبر دیکھنا تکبیر کا
قبر پر بھی آئے تو وہ دشمنوں کے ساتھ ساتھ اے جلالی میں تو قاتل ہوں تری تقدیر کا

دلہ

پیچ ہے دل میں کہ طرہ ہے پریشاں کس کا دیکھتا ہوں میں کہ ہے آئینہ حیراں کس کا
اے سردست جنوں اب تو بدن میں باقی رشتہ جاں بھی نہیں تار گریباں کس کا
اس پری رو سے تو ہے دست بگردن ہر دم پھر یہ سودا ہے تجھے زلف پریشاں کس کا
یوں جو کہتا ہے مری طرح سے بتلا تو سہی داغ اٹھایا ہے کہاں اے مہ تاباں کس کا
ہم نہیں کہتے ہیں کہ دکھلائے آپ اپنا خرام ہے لقب یہ تو کہو سرو خراماں کس کا
بندہ عشق بتاں ہے یہ جلالی آزاد

آہ کافر کسے کہتے ہیں مسلمان کس کا

اللہ رے کیا ہوگا اثر تیغ نظر کا بن دیکھے ہی ٹکڑا نہیں باقی ہے جگر کا
سر ہوتی ہے کیوں زلف الجھ کر مرے صاحب مشہور کیا کس نے ہے سودا مرے سر کا
شہرت ہے یہ سب آپ کی بیداد کا فیضان کیا جرم بھلا اس میں مری دیدہ تر کا
ہم محو ہوئے کس کے تصور میں کہ ہم پر دھوکا ہے دہن کا کہیں شہبہ ہے کمر کا

دنیا سے جلالی کو تعلق ہے نہ دیں سے

یہ مرد خدا تو نہ ادھر کا نہ ادھر کا

اپنی بھی نظر نہیں گوارا کیا رشک ہے دیکھنا تمھارا
 ہم آگئے گور کے کنارے تم کرتے رہے ابھی کنارے
 پھر جاتے ہیں مرے گھر سے آکے گردش میں ہے کیا مرا ستارا
 سودائے جنوں کو دل پہ ہے ناز کیا یہ بھی خیال ہے تمھارا
 اک سیر ہے حالت جلالی
 دیکھو کبھی آپ بھی خدارا

ولہ

کاہش رشک سے مجھے شب کو ایک اضطراب تھا کیا کہیں ان کا نطع¹ خواب بستر ماہتاب تھا
 طالع خفتہ والے والے فتنہ تھا شب کو جاگتا مروحہ² کش رقیب تھا اور وہ مست خواب تھا
 خبر رو محیط دہر باہمہ شورش و خروش کھینچا تو نقش سنگ تھا دیکھا تو نقش آب تھا
 دیکھ جلالی حزیں جلوہ عالم آفریں
 تابہ کے شک و یقین ماہ تھا آفتاب تھا

کیوں نہ ساماں ہو مرا بے سروساماں ہونا جمعیت زلف کے جب ہووے پریشاں ہونا
 منفعل ہیں وہ جفا کر کے کہ کچھ بھی نہ کہا عذر کرنا ہے کہاں کیسا پیشیاں ہونا
 کیا مصیبت ہے کہ آئینہ گیا ہم سے سیکھ دیکھ کر تیرے رخ خوب کو حیراں ہونا
 باغ بن کر دل پڑ مردہ تو کیا پائے گا پھل جوش وحشت کے دن آتے ہیں بیاباں ہونا
 گل کے کہنے سے کھلے کیا ترے دیوانے کا حال یہ کہاں اور کہاں چاک گریباں ہونا
 آہ کس ناز سے نکلی ہے میرے سینے سے یاد آتا ہے کسی کا جو خراماں ہونا
 زاہد و عشق بتاں ہی تو ہے جانِ ایماں
 سیکھ لو آکے جلالی سے مسلمان ہونا

1 چڑے کا بچھونا، چڑے کا ٹکڑا

2 ہاتھ کا پنگھا

دلہ

حشر سمجھے تھے جسے وہ غم ہجراں نکلا صور سمجھے تھے جسے وہ دل نالاں نکلا
 دھجیاں اڑ گئیں اک تار بھی باقی نہ رہا اب تو ارمان ترا اے چاک گریباں نکلا
 رکھتے رکھتے مرے سینے سے اٹھا اس کا قدم دشمن جاں تو کہاں سے دل سوزاں نکلا
 ہم جلالی کو سمجھتے تھے کہ ہے کافر عشق
 یہ تو اے دالے بڑا سخت مسلمان نکلا

دل نالاں تجھے ہوا ہے کیا تو بھی اس شوخ کی جفا ہے کیا
 یوں جو رکتا ہے تو جفا کرتے یہ بھی اے سنگ دل وفا ہے کیا
 ہوتے ہو بات بات پر جو برے سچ تو فرمائیے بھلا ہے کیا
 ہوا جس کو وہ بتلا ہی ہوا عشق خواہاں کوئی بلا ہے کیا
 اپنی تعریف بھی نہیں سنتے یہ بھی میرا ہی ماجرا ہے کیا
 اپنی آرائش آپ کرتے نہیں یہ بھی میرا ہی مدعا ہے کیا
 کیوں تڑپتا ہے دل جلالی کا
 کوئی بیگانہ آشنا ہے کیا

دلہ

طاق پر اٹھا رکھے رتبہ آسماں اپنا وہ مجھے رکھیں یارب خاکِ آستاں اپنا
 خاک، خاک بوسی ہو جبکہ رشک سے اے بخت سنگِ راہ بن بیٹھے سنگِ آستاں اپنا
 دیکھیں وہ سینیں کس کی عرض حال کرتے ہیں جان ناتوں اپنی چشمِ خوں چکاں اپنا
 مٹ رہے ہیں ہم اس پران کی چال کو دیکھیں پائے بوس سے مٹ جائے قبر کا نشان اپنا
 کیا گلہ کسی کا جب بخود ہی کے باعث سے آپ میں نہیں سنتا نالہ و فغاں اپنا
 دیکھیے اگر کوئی ہو عدو تو کیسا ہو جبکہ دشمن جاں ہو یار مہرباں اپنا
 دیکھنا جلالی تم حسن و عشق کے نیرنگ
 آپ ہم لگے کرنے قصد امتحاں اپنا

دلہ

آنکھیں سپید ہونے لگیں انتظار میں طالع سحر ہے یوں مری شبہائے تار میں
کیا عمر تھی دراز مری روزگار میں گزری شب فراق میں یا انتظار میں
کچھ اور آرزو نہ رہی ہجر یار میں آجا اجل شتاب کہ ہیں انتظار میں
شوق وصال، ذوق تپش، آہ اپنی عمر گزری ہے کس مزہ سے غم ہجر یار میں
اس دل سے فائدہ سبب گوئے رنج شیشہ شراب کا کوئی ہوتا کنار میں
یہ بدگمانیاں ہیں غضب ہیں و گرنہ آہ آنے سے کیا خطر دل بے اختیار میں
دیکھیں ہیں ان کی بسکہ جو نازک مزاجیاں تڑپیں گے حشر تک نہ کبھی ہم مزار میں
ممکن نہیں حساب عذاب شب فراق
روز حساب کب ہے جلالی شمار میں

ذوقی رام حسرت و ذوقی

حسرت اور ذوقی تخلص ہے۔ ذوقی رام (نام) قوم کے کاستھ اور رامپور کے رہنے والے تھے۔¹ فارسی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ دس ہزار کے قریب فارسی اشعار ان کو یاد تھے۔²

- 1 حسرت کے وطن اور ان کے نسب کے بارے میں تمام تذکرہ نگار ایک دوسرے سے مختلف بیان دیتے ہیں۔ قدرت اللہ شوق نے انہیں شاہ جہاں آباد (دہلی) کا باشندہ اور مقیم مراد آباد لکھا ہے۔ شیفہ نے، ”اس کی اصل شاہ جہاں آباد اور فرخ آباد میں رہتا ہے لکھا۔“ بتلا نے انہیں ساکن فرخ آباد ہی لکھا ہے۔ لیکن اصلاً یہ دہلی کے ہی رہنے والے تھے اور بسلسلہ ملازمت رامپور آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ان کے نام سے رامپور میں ایک محلہ ”باغچہ ذوقی رام“ بھی آباد ہے۔ رامپور کا دبستان شاعری میں تگلب صاحب نے لکھا ہے کہ ”اس باغچے میں ان کا تعمیر کردہ مندر آج بھی موجود ہے“ صفحہ 195
- 2 آپ کی فارسی دانی اور شعر گوئی کی صلاحیت کی تمام ہی تذکرہ نگاروں نے بہت تعریف کی ہے۔ صاحب ”خمن خانہ جاوید“ کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے۔
”فارسی زبان پر بہت اچھی قدرت حاصل کی تھی۔ شعر میں متانت کے علاوہ محاورہ اس خوبی سے نظم کرتے تھے کہ ایرانیوں کو ان پر اہل زبان ہونے کا دھوکا ہوتا تھا۔“ (ص 415 جلد دوم)

جس مشاعرے میں جاتے وہاں کے شعرا (ان کے خوف سے) بید کی طرح لرز نے لگتے تھے۔ اردو فارسی کے¹ صاحب دیوان شاعر ہیں۔ شعرا کے مختلف تذکروں میں ذوقی کے تفصیلی حالات نہیں لکھے گئے ہیں اور ان کے اشعار جہاں ان تذکرہ نگاروں کو ملے ہیں انھوں نے معلومات نہ ہونے کے سبب ان کے اشعار کو دوسرے شعرا کے نام سے لکھ دیا ہے۔ ان میں یہ واسوخت بھی مشہور ہے۔ ساٹھ سال سے زیادہ کا زمانہ ہوا کہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔²

عشق کا پھر سر و ساماں ہے خدا خیر کرے پھر جنوں سلسلہ جنباں ہے خدا خیر کرے
گریہ آمادہ طوفاں ہے خدا خیر کرے صحبت دست و گریباں ہے خدا خیر کرے

باز از ہر سختم بوی جنوں می آید

باز آہ از دل من غرق بخوں می آید

ایک مخمس جناب سرور کائنات (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں لکھی ہے لیکن بعض ناواقفوں نے اس کو دوسرے شاعر کے نام سے لکھا ہے۔ وہ مخمس یہ ہے

صلی علی محمد صلی علی محمد

جس کا کھلا نہ مرتبہ حضرت جبریل پر ہیں گے دروخواں ملک اس کے رخ جمیل پر
تشہ لبوں کو دی برات کوثر و سلسیل پر قافیہ تنگ راہ میں اس کے ہے ہر دلیل پر

صلی علی محمد صلی علی محمد

اُمی عالم العلوم نا سخ نسخہ ہائے پیش جن نے بتایا تیر سارا ست طریق دین و کیش
نطق لطیف اس کا تھا مرہم سینہ ہائے ریش خلق میں انبیا سے بیش مرتبہ اس کا سب سے بیش

صلی علی محمد صلی علی محمد

طے کیا راہ فقر کو سنگ شکم پہ باندھ کر کنج قناعت اس کو تھا گنج گہر سا در نظیر
سنگ مخالفوں سے کھا ہنس کے دیا عوض گہر جس کے طفیل سے ہوئی خلعت جن اور بشر

صلی علی محمد صلی علی محمد

1 تکیب صاحب نے لکھا ہے کہ ”ان کے دواوین و مثنویاں اب ناپید ہیں“۔

2 حسرت کی ولادت دہلی میں 1750 کو اور وفات 1226ھ 1811 کو رامپور میں ہوئی۔

جرمِ قمر کے تئیں کیا جس کے اناملوں نے شق صبح صفا و صدق کا سرخ رنگ اس کا تھا شفق
اس کے ضمیر پاک پر کشف تھا سر نہ فلک ختم رسل خطاب خاص شان اسی کی ہے بحق

صلی علی محمد صلی علی محمد
احمد الملع عرب عشق خدا کا تھا حبیب کس کے تئیں یہ مرتبہ اس کے سوا ہوا نصیب
خلعت قرب حق کا باب وہ قد جامہ زیب متکی اس کے در کے ہیں لیکے غنی سے تا غریب

صلی علی محمد صلی علی محمد
آدم اگرچہ پیشتر اس سے تھا ممکن الوجود پرتو نور اسی کا تھا اس کا یہی باعث شہود
ہو ہے سپاہ پیش روشاہ کرے ہے پس ورود صبح دویم نخست سے دیکھو رکھے ہے کیا نمود

صلی علی محمد صلی علی محمد
بحر الوہیت کا تھا ساحل علم اور یقین مہر نبوت اس کی تھی مردم چشم نور دیں
زیر نگین حکم ہیں اس کے زمان اور زمین ہونہ ہوا ہے دوسرا اس سادہ کون میں مکین

صلی علی محمد صلی علی محمد
آگ ہوئی خلیل پر لطف اسی کے سے چمن صاحب دم اسی سے تھا عیسیٰ مہمان وطن
مقتبس اسی کے نور کا تھا ارنی کا نعرہ زن بازوئے زور کا نور بخش تھا وہ ہی دست بت شکن

صلی علی محمد صلی علی محمد
جس کے حریم قدس کے حلقہ ور ہیں نہ فلک جس کے ہوائے قرب میں بال فشاں رہیں ملک
اس کا ملیح رنگ تھا نقد صفا کے تئیں نمک بولی ہیں اس کی نعت میں لے کے سما سے تہمک

صلی علی محمد صلی علی محمد

ان کے کئی دیوان تھے مگر مجھے نہیں مل سکے۔ ایک دیوان مسودہ کی صورت میں اتفاقاً
میرے ہاتھ لگا تھا اس سے یہ مجس اور یہ چند اشعار منتخب کیے ہیں۔

گوارا میں نے اپنے پر کیا ہے تلخ و شیریں کو
عوض بوسہ کے گر، دے تو ہمیں دشنام کیا ہوگا

ہے وصل رشک سے غم دلدار ہی بھلا راحت سے ایسی ہم کو وہ آزار ہی بھلا
معشوق کا نظارہ میسر ہو یا نہ ہو عاشق ہمیشہ طالب دیدار ہی بھلا

ہزار حیف نہ سمجھا تو رسم دلداری رہا ہمیشہ تجھے ذوق دل ربائی کا
میں حیف کرتا ہوں اپنی وفا پہ رو رو کر گلہ نہیں مجھے کچھ تیری بے وفائی کا

نہ چھٹتا ہاتھ سے اک لمحہ گریباں میرا چشم تر ہی پہ رہا گوشہ داماں میرا
بخت ہیں شور یہ کچھ اپنے کہ وہ نوشیں لب اوروں کا چشمہ حیواں ہے نمکداں میرا
اوروں کی آنکھوں کو دیکھوں ہوں میں دیدار نصیب بنا رونے کو یہی دیدہ گریاں میرا
دور اس لب سے جو گزرے ہے دل پُر خوں پر جانے میرا ہی جگر اور یہ دندان میرا

آفت طلب جو اپنے دل و دیدہ نہ ہوتے طالب میں ترا تو مرا مطلوب نہ ہوتا
حسرت نہ اگر اس کا قد و زلف بناتے دنیا میں کہیں فتنہ و آشوب نہ ہوتا
ترغیب وفا کرنا تجھے مجھ پہ روا تھا گر شیوہ جفا کا ترا مرغوب نہ ہوتا
فتنہ ہی سمجھی ہے تیری چشم کی طرز نگاہ آشنا کے رمز کو پاتا ہے الا آشنا

مولوی محمد حیات خاں حیات

حیات تخلص، مولوی محمد حیات خاں¹ قوم افغان ساکن محلہ نالہ پار، عربی فارسی علوم میں مشہور تھے۔ علم فقہ میں بڑی صلاحیت اور شعر گوئی² میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ اردو، فارسی میں عمدہ شعر کہتے تھے۔ لیکن نعت میں اکثر عمدہ قسم کے شعر کہے۔ یہ غزل ان کی لکھی ہوئی ہے۔

باعث گلگشت فردوس آپ کا دیدار ہے واہ کیا ہی شان، شان سید ابرار ہے
ہے پر روح الامیں جا روب اس درگاہ کا کیا بڑی شان آپ کی اور کیا بڑی سرکار ہے
ان کے جلوہ سے جو روشن آسماں پر ہیں چراغ ہے وہ چہرہ آپ کا یا مطلع انوار ہے
ایک شب تو آپ کا دیدار دیکھوں خواب میں تجھ سے اے خالق دعا میری یہی ہر بار ہے
واسطے اپنے نبی کے بخش دے مجھ کو خدا تو رحیم اور تو ہے رحمن اور غفار ہے
دل میں حوروں کے خیال اس کی سکونت کا جو ہے ہے مدینہ کی زمیں یا خلد کا بازار ہے
کیا ہی جلوہ ماہ یثرب کا ہے یثرب میں حیات
روشن اس سے رات دن وال کا در و دیوار ہے

لب شکر بخش تر از لعل مسیحا داری پُر ضیا از ید بیضا تو کف پاداری
صورت و سیرت و رفتار و نشست و برخاست آنچہ از حلیہ حسن است سراپا داری

1 حیات کے والد کا نام سید احمد خاں تھا۔

2 انتخاب یادگار میں امیر مینائی نے لکھا ہے کہ ”شیخ ابراہیم ذوق کی شاگردی کا اقرار کرتے تھے“ (ص 120) سری رام نے خم خانہ جاوید جلد دوم میں لکھا ہے کہ ”فن سخن میں ملک اشعرا خاقانی ہند ذوق دہلوی کے شاگرد تھے۔ (ص 527)

نوٹ: حیات خان نے 20 رمضان المبارک 1287ھ جنوری 1871 میں وفات پائی۔

در کف نوح گہر قطرہ دامان تو موج پیغمبری خویش کہ دریا داری
دست ادراک بدامان عروجت نرسد کہ بہ زیر کف پا عرش معلیٰ داری
ہر سخن از لب پاک تو حیات جان شد
ای بگردِ سرت اعجاز مسیحا داری

میاں حسین شاہ حسین

حسین تخلص¹، میاں حسین شاہ خلع میاں سید جلیل شاہ، نواب احمد علی خاں رئیس رامپور
کے پیر تھے نواب موصوف (نواب احمد علی خاں) کی عنایت و مہربانی سے صاحبزادوں کی طرح
عیش و آرام اور سکون سے زندگی بسر کرتے اور کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ یہ ان کا شعر ہے۔
کس طرح غشی جائے گی مجھ سوختہ تن کی
اب بو نہیں آتی ہے کسی گل کے بدن کی

1 ”انتخاب یادگار“ میں امیر بینائی نے ان کا تخلص ”افزوں“ بھی لکھا ہے اور حسین و افزوں دونوں جگہ
ان کا ذکر کیا ہے اور افزوں تخلص میں مندرجہ دو شعر بھی لکھے ہیں

چشم امید جن سے رکھتے تھے وہ ہی آنکھیں چرا گئے ہم سے
ہوس رہ گئی یہ دل زار کی کبھی بات اس نے نہ کی پیار کی
افزوں شاعری میں احمد خاں غفلت کے شاگرد تھے۔ 13 مئی 1853 کو 56 سال کی عمر میں وفات پائی۔
(بحوالہ وفیات مشاہیر اردو)

صاحبزادہ غلام حیدر خاں حیدر

تخلص حیدر، صاحبزادہ غلام حیدر¹ خاں خلع صاحبزادہ محمد قاسم علی خاں خلع نواب محمد فیض اللہ خاں والی ملک رامپور، آزاد طبیعت کے آدمی تھے۔ دنیا والوں سے میل ملاپ ختم کر دیا تھا۔ گوشہ نشینی میں سکون کی زندگی بسر کرتے تھے۔ فارسی میں بڑی مہارت تھی۔ نازک خیال تھے۔ یہ چند اشعار ان کی یادگار ہیں۔ تیس سال سے زیادہ زمانہ ہوا کہ وفات پائی²۔

1 حیدر کی ولادت 1789 کو رامپور میں ہوئی۔ شاعری میں مولوی سید رفیع الدرجات نزہت رامپوری (م 29 جنوری 1849) کے شاگرد تھے۔ امیر مینائی نے لکھا ہے کہ ان کی ایک مثنوی ”یا قوت سخن“ مجھے ملی ہے۔

2 حیدر نے 1842 کو رامپور میں ہی وفات پائی۔ امیر مینائی نے آپ کا ایک محسن بر شعر جرأت اور دو شعر مثنوی ”یا قوت سخن“ سے نقل کیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

محسن بر شعر جرأت

اگرچہ صحبت اس عیار سے شب خوب بن آئی پد و عدے وعدے ہی میں اس نے ساری رات بہلائی
طبیعت اپنی جب اس شوخ پر بیڈھب لپجائی شب اس نے توڑ کر موتی کی سمرن ہم سے بنوائی
دکھایا وصل میں عالم نیا اختر شماری کا
مثنوی ”یا قوت سخن“ سے

وہ رخسار اس کے تھے آفت کے کلڑے کیے تھے جس نے دل خلقت کے کلڑے
صراحی دار وہ گردن نمودار جسے ہوں دیکھ کر سب مست ہشیار

انتخاب یادگار صفحہ 122

مولوی محمد حفظ اللہ حفظ

حفظ تخلص¹ مولوی محمد حفظ اللہ² فارسی کے استاد مولوی نور الاسلام کے بھائی تھے جو مولوی محمد سلیم اللہ پریم والد فاضل و قابل کے گھرانے سے تھے۔ فارسی زبان میں کچھ کتابیں مثلاً ”کاغذنامہ“، ”آداب الصبیان“، ”انشاء فیض رساں“³ فارسی زبان کی تعلیم سے شوق رکھنے والوں کے لیے لکھیں۔ موضع سینتولی علاقہ بلاس پور متعلقہ ریاست رامپور میں درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دنیاوی چھٹیوں سے بالکل آزاد تھے۔ یہ شعر ان کا یادگار ہے۔

در عشق تو مارا نہ دلی ماند نہ جانی

از دل چہ حکایت کنم از جان چہ نویسم⁴

حفظ کا فارسی دیوان جیسا کہ مشہور ہے ممکن ہے کہ ان کا ہو۔ اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ ان کے جاننے والے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ تقریباً بارہ سال ہوئے کہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔⁵

1 ریختہ میں ’بندہ‘ تخلص تھا۔ امیر بینائی نے دو جگہ ان کا ذکر کیا ہے۔

2 والد کا نام مولوی شیخ کرامت اللہ تھا۔

3 ان کتابوں کے علاوہ انتخاب یادگار میں امیر بینائی نے ”رسالہ بیت المعرفت“، ”شرح ظہوری“ کے نام بھی لکھے ہیں جس پر ”وفیات مشاہیر اردو“ میں بشارت فروغ صاحب نے چار اور کتابوں مثلاً ”بارہ ماسہ“، ”راہ نجات“، ”مولود خیر الوری“ اور ”دیوان غزلیات“ کا اضافہ کیا۔ اس طرح آپ کی تصانیف 9 ہو جاتی ہیں۔

4 ترے عشق میں نہ دل باقی رہا، نہ جان۔ اب میں دل کا کیا حال بیان کروں اور جان کے بارے میں کیا لکھوں۔

5 مولوی حفظ اللہ نے 27 جمادی الآخر 1277ھ جنوری 1861 بروز جمعہ انتقال کیا۔ انتخاب یادگار میں

اردو فارسی کلام دیا گیا ہے۔ اردو کا ایک شعر یہ ہے۔

کیا نظر لگ گئی رقیبوں کی مجھ پہ وہ آپ کی نظر ہی نہیں

ایک شعر فارسی کا بھی ملاحظہ ہو۔

فداے ہمت پروانہ باید شد کہ در مُردن نہ فکر گور در خاطر نہ پرواے کفن دارد

حکیم نجم الغنی خاں نے ”اخبار الصنادید“ میں لکھا کہ ”مولوی حفظ اللہ صاحب ولد مولوی شیخ کرامت اللہ صاحب

جواد میں بندہ اور فارسی میں حفظ تخلص کرتے تھے۔ موضع ستورا ضلع بلاسپور میں ان کا مزار ہے۔“ صفحہ 715

شہامت خاں حرمت

تخلص حرمت، شہامت خاں نام خلف حبیب شاہ خاں افغان، مشہور ہے کہ حبیب شاہ خاں نواب نصر اللہ خاں کے زمانہ میں کریم خاں تراہی کی تلوار لگنے سے مر گئے۔¹ (حرمت) شاعری میں سراج الدین² علی خاں آرزو کے شاگرد تھے اور فارسی میں اچھے شعر کہتے تھے۔ یہ چند شعرا کی یادگار ہیں۔
 یک نظر تغافلش خانہ دل خراب کرد حال چہ گردد آن اگر بارِ دگر چنین کند³
 ہر کہ بیند روی خوب آن بت شیریں ادا سر بہ سنگ آستانش می زند چون کوہکن⁴
 بہ دل خیال بُتی رشک ماہ تابانست الہی خانہ خاطر کہ شہر کنعانست

ملک کریم خاں خورشید

خورشید تخلص⁵، ملک کریم خاں گھیر والا جن کا تذکرہ احمد کے ذکر میں ہو چکا ہے۔ فن موسیقی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اپنی تمام غزلیں راگنی کے مشہور راگوں میں خوش الحانی سے سناتے تھے۔

-
- 1 حرمت شاہ نے 1256ھ 1840 میں وفات پائی۔
 - 2 سراج الدین علی خاں آرزو اردو کے معروف ترین قدیم شعرا میں سے ہیں آپ کی ولادت 1688 کو آگرہ میں اور وفات 26 جنوری 1756 کو لکھنؤ میں ہوئی۔ مدفن دہلی میں ہے۔
 ”اے بسا آرزو کہ خاک شدہ“
 - 3 اس کی ایک بے وفائی کی نظر نے خانہ دل کو خراب کر دیا۔ کیا حال ہوگا اگر دوبارہ ایسا کیا۔
 - 4 جس کسی نے اس بت شیریں ادا کے چہرے کو دیکھا، کوہکن کی طرح اپنے سر کو اس کے آستانے پر مارا (رکھ دیا)۔
 - 5 امیر مینائی نے ان کا نام ”کریم خاں ولد بہادر خاں صاحب کمال زی“ لکھا ہے اور فن شاعری میں صاحب زادہ محمد کفایت اللہ خاں کفایت کا شاگرد بتایا ہے۔

امیروں کی طرح اپنی مانگی ہوئی زندگی عیش و نشاط میں گزاری۔ یہ شعران کے ہیں۔ چالیس سال سے زیادہ ہوئے کہ اس دنیا سے وفات پائی۔¹

وہ رشک قمر آیا مئے نوشی کے عالم میں ہم سینہ سے جا چپٹے بے ہوشی کے عالم میں
تصویر نمط ہم بھی دیوار سے لگ در کی بیٹھے جو اسے دیکھا خاموشی کے عالم میں
ہم مر گئے حسرت میں جو کان کے موتی نے لے اس کا لیا بوسہ سرگوشی کے عالم میں
وہ چہرہ بھھوکا سا خورشید اگر دیکھے
گردوں سے گرے غش کھا بیہوشی کے عالم میں

ولہ

مئے جو نہیں ساقیا لا تو قدح بھر کے بنگ دید صنم ہے غرض سرخ ہو یا سبز رنگ
زیست ہے مرنا وہاں موت ہے جینا جہاں تنگ ہیں ہم جان سے جان ہے ہم سے بد تنگ
تغ لئے اور علم آتا ہے کیوں دم بدم سرخ ہے چہرہ تراکس سے ہے خورشید جنگ
چھائی ہے کالی گھٹا دے مئے گلفام کو ابر نے جنگل بھرے تو بھی تو بھر جام کو
ابر کے پردہ میں مئے پیتا جو خورشید ہے
چھپ کے ذرا دیکھئے ایسے مئے آشام کو

1 آپ نے اسی سال کی عمر میں 1838 کو وفات پائی۔ اس لحاظ سے آپ کی تاریخ ولادت 1758 ہوگی۔

میر احمد علی رسا

رسا تخلص¹، میر احمد علی، قدیم شعرا کی طرح خوش فکر شاعر تھے۔

میاں رؤف احمد رافت

تخلص رافت، میاں رؤف احمد²۔ رامپور کے مشائخ صوفیہ کرام میں سے تھے۔ نیک سیرت اور اچھی حیثیت کے انسان تھے۔ علم معنوی میں مشہور اور پرودگار کی یاد میں مست رہنے والے شخص تھے۔

1 احمد علی رسا سید امام الدین کے بیٹے تھے ”انتخاب یادگار“ کی ترتیب کے وقت چھپن برس کی عمر تھی۔

1817 میں ولادت ہوئی شیخ علی بخش پیار کے شاگرد رہے۔ امیر مینائی نے لکھا ہے کہ

”مزاج وارستہ طبیعت رکھن شناس سخن آفرین شیخ علی بخش پیار کے

شاگرد ہیں بہت کچھ کہا مگر آزاد طبعی سے دیوان مرتب نہیں کیا۔“

14 اگست 1891 کو رامپور میں ہی وفات پائی۔ چہار ہزارادہ (منظوم داستان) نشر غم (مثنوی) آپ کی

یادگار ہیں۔ کلام واقعی بہت خوب ہے۔ آپ کے تین شعر ملاحظہ ہوں

ہائے نیچی وہ شرم سے آنکھیں اور حسرت سے دیکھنا میرا

قسمت اس کان ملاحظہ سے جدا کرتی ہے کون اب زخم جگر پر نمک افشاں ہوگا

یا رب یہ دل یہ جوش ہوس خاک میں ملے کب تک ہر ایک بات کی ہم آرزو کریں

2 آپ کے والد کا نام شعور احمد تھا۔ آپ کے دادا نے آپ کا تاریخی نام رحمان بخش (1201ھ) رکھا تھا۔

حافظ احمد علی خاں شوق نے ”تذکرہ کالملاں رامپور“ میں آپ کے خاصے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔

آپ حضرت شاہ درگا ہی کے مرید و خلیفہ تھے اور شاہ درگا ہی آپ سے بہت خلوص و محبت رکھتے تھے۔

آپ کو حضرت شاہ درگا ہی (وفات 14 جمادی الآخر 1226ھ) سے سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، صابریہ،

نظامیہ، سہروردیہ اور مداریہ میں اجازت حاصل تھی۔ شاہ درگا ہی کے بعد دہلی میں حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی

ایک ضخیم دیوان ترتیب دیا تھا۔ یہ شعران کا ہے قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے۔ چالیس سال سے زیادہ وقت ہوا کہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔
نسبت میان عاشق و معشوق دیکھ تو رافت کے دل پہ داغ ہے اس گل کے منہ پہ تل

مولوی غلام جیلانی رافت

رافعت¹ تخلص، مولوی غلام جیلانی² رامپور کے مشہور فاضلوں میں سے تھے۔ فارسی علوم میں (اپنے وقت کے سبھی عالموں سے) بازی لے گئے اور زمانہ طالب علمی سے ہی علم و ادب کے قدردانوں سے واہ واہی حاصل کی۔ ایک مثنوی³ (جنگ نامہ دو جوڑا) اس لڑائی⁴ کی تفصیلات کے

خدمت میں حاضر رہے۔ اردو فارسی نظم و نثر میں بہت سی تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔ وفیات مشاہیر اردو میں بشارت فروغ صاحب نے 5 اپریل 1834 تاریخ وفات لکھی ہے جو ہجری تاریخ 1249 کے مطابق ہے۔ لیکن تذکرہ کاملان رامپور اور انتخاب یادگار میں تاریخ وفات 1240 لکھی گئی ہے جو از روئے تحقیق غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ عبدالغفور نساخ کلکتوی نے آپ کی تاریخ وفات کبھی جو حسب ذیل ہے۔

رافعت آن قبلہ ارباب کمال از جہان رافت بسوئے جنت
بہر تاریخ رجیلش نساخ شد رقم ”قدوہ جنت رافت“
انتخاب یادگار میں امیر بینائی نے نمونہ کلام بھی دیا ہے جس سے دو ایک شعر راقم بھی نقل کرتا ہے۔
غم یار ایسا ستانے لگا کہ جی تن سے گھبرا کے جانے لگا
رقیبوں سے مل مل کے وہ نازنین مجھے خاک و خوں میں ملانے لگا
غم عشق جس دل کو حاصل نہیں ہے اک پارہ سنگ وہ دل نہیں
”طبقات الشعراء“ کے مولف قدرت اللہ شوق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہلے ”بیدم“ تخلص کرتے تھے۔

2 رافت کے والد کا اسم گرامی مولوی احمد گیلانی تھا۔

3 یہ مثنوی 1213ھ 1719 میں مکمل ہوئی۔

4 یہ جنگ 1209ھ 24 اکتوبر 1794 کو رامپور اور بریلی کے درمیان دریائے دو جوڑا کے قریب ہوئی۔ لکھنؤ اور فرخ آباد کی فوجوں نے انگریزی فوج کی مدد سے روہیلہ حکومت پر حملہ کیا جس کا مقصد روہیلوں کی طاقت کو ختم کرنا تھا۔

بارے میں لکھی جو فتح گنج کے درمیان نواب غلام محمد خاں رئیس رامپور (م 6 جمادی الآخر 1238ھ/1823) اور نواب آصف الدولہ وزیر لکھنؤ کے بیچ ہوئی تھی اور ہر داستان ان علوم کی رعایت سے جو اس وقت پڑھائے جاتے تھے (صنعت) براۃ استہلال میں لکھی ہے۔ یہ شعر اس حملہ ہر اول کی تعریف میں ہے جس نے کہ پہلی صف کے رسالہ دارنوجواں کی سرکردگی میں دشمن کو تیغ آب دار سے قتل کیا، لکھا ہے پچاس سال سے زیادہ ہوئے کہ اس دنیا سے گزرے¹

بہ کرسی نشیناں چنان تیغ راند
کہ حرف شجاعت بہ کرسی نشاند

اور ایک مجموعہ ”ہشت خلد“ سراپاے معشوق کی تعریف میں جو عوام پسند چیز ہے ان کی تالیف ہے۔ اس نسخہ (ہشت خلد) نے ایسی شہرت پائی کہ ایک بار کپتان مکان صاحب سکتر اعظم نواب گورنر جنرل بہادر جو کہ فارسی اور عربی میں بڑی قابلیت رکھتے تھے اور ”شاہنامہ“ کا انگریزی زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ گورنر لارڈ ہنک صاحب کے ساتھ نواب احمد علی خاں سے ملاقات کے لیے آئے۔ نواب صاحب ممدوح سے اس نسخہ کو عنایت فرمانے کی درخواست کی جس وقت یہ نسخہ انھوں نے ہاتھ میں لیا تو بیتا بانہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس عنایت پر شکریہ ادا کیا کہ نواب صاحب آپ نے ہماری پسندیدہ چیز کو ہمیں بخشا۔ آپ نے احسان کیا۔ اس کے بعد اس کے پہلے شعر کا جو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے، اللہ تعالیٰ کی تعریف میں لکھے ہوئے ایک قصیدہ کا شعر ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقی دفترست معرفت کردگار²

1 مولوی غلام جیلانی رفعت نے اسی برس کی عمر میں 27 ذی الحجہ 1234ھ 17 اکتوبر 1819 کو وفات پائی
2 یعنی ان سبز و شاداب درختوں کا ایک ایک پتہ اہل نظر کی نظروں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت (پہچان) کے لیے ایک مکمل کتاب ہے۔

انگریزی میں ترجمہ کیا اور دوسرے انگریز صاحبان جو شریک جلسہ تھے انہوں نے بہت تحسین و آفرین کی اور ایک کتاب اسی طرح کی دیوان منوالال نشی لارڈ صاحب کی ”گلدستہ نشاط“ کے نام سے 1840 میں کلکتہ سے شائع ہوئی، اسی ”ہشت خلد“ سے ہے اور ”گلستان مسرت“ مطبوعہ لکھنؤ بھی اسی نسخہ سے استفادہ کی ہوئی ہے۔ اس بلند مرتبہ فاضل کا زیادہ تر کلام فارسی میں ہے۔ ایک مرتبہ اس مصرعہ پر مصرعہ لگانے کے لیے لکھنؤ سے رامپور بھیجا گیا۔

طائر چرخ سے کہیو رکھے اوسان درست

مولوی صاحب (رفعت) نے فوراً دوسرا مصرعہ لگایا

اس کے مژگان نے کئے پھر پروپیکان درست

مصرعہ بھیجئے والا اہل تشیع میں سے تھا۔ جب یہ مصرعہ اس کو ملا، اس نے طنزاً کہا کہ میں جانتا ہوں کہ رامپور میں ایک جیلانی ہے۔

نواب احمد علی خاں رند

رند تخلص نواب احمد علی خاں بہادر مرحوم سابق رئیس ریاست رامپور۔ خلف نواب محمد علی خاں خلف نواب محمد فیض اللہ خاں خلف نواب علی محمد خاں بانی ریاست رامپور، اس امیر کبیر کی تعریف بیان سے باہر ہے۔ زمانہ اور زمانے والے، ہندوستان کے اس کونے سے اس کونے تک، اس یگانہ وقت کی بخشش، دریا دلی، شجاعت و بہادری سے واقف ہیں۔ زمینی اور سمندری (دریا) کے شکار کا بہت شوق تھا۔ سردی کے تین مہینے دریا کے کنارے شکار فرماتے اور جس جگہ بھی اپنا پڑاؤ ڈالتے وہاں عمدہ قسم کے باغات بنواتے اور تین مہینہ جنگل کے شکار میں مصروف رہتے اور دشوار گزار جگہوں پر نیچے، فوج سے بھرے ہوئے لشکر وہاں آباد کرتے تھے اور عجائبات کی سیر کہ جن کو کارخانہ خداوندی (دنیا) کے تماشا کرنے والی آنکھوں نے ”کجلی بن“ کی سرزمین جیسا (خوبصورت) علاقہ جو کہ سایہ دار اور میوہ سے بھرے درختوں سے پُر ہے اور آبشار، نہروں،

تالاب اور رنگ برنگے پھول اور پلاس و دیباچ کے جنگل کی بہار سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ جو ہندوستان جنت نشان کے دولت آگین سر زمین کے نوادرات و عجائبات سے لبریز ہے کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ اس امیر کے طفیل میں جواب خلد بریں کے امن و امان کے مقام پر آرام فرما ہیں۔ دیکھ لیا، جس کے نتیجے میں زندگی بھر کی زحماتوں اور پریشانیوں کا احساس ان کے دل و دماغ سے یکسر فراموش ہو گیا۔

اس شوق (شکار) کے علاوہ وہ فارسی ادبیات میں بہت زیادہ قابلیت رکھتے تھے۔ خاص طور پر زبان دانی اور محاورات پر اتنی مہارت تھی کہ اہل ولایت (اہل ایران) سے بلا تکلف (فارسی زبان میں) گفتگو کرتے تھے اور علم موسیقی میں بھی انھیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ اسی سبب اس فن کے استادوں نے دربار میں بڑا سرخ حاصل کر لیا تھا اور چاروں طرف سے موسیقار، ان کی بخشش و عطا کوسن کر گروہ کے گروہ در دولت پر حاضر ہوتے اور یہ حالات¹ ہر ایک پر روشن (ظاہر) ہیں۔ کبھی کبھی فکر سخن بھی فرماتے۔ یہ چند اشعار یادگار کے طور پر اس تذکرے میں لکھے جاتے ہیں۔ 36 سال ہوئے کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو کر خلد برین میں آرام فرما ہیں۔²

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا
بتوں کی سنگ دلی نے اسے ستایا ہے خدا کے روبرو ہووے گا فیصلہ دل کا
کہاں ہے شیشہ مئے مختسب خدا سے تو ڈر مری بغل میں چمکتا ہے آبلہ دل کا
میں رند ہوں مجھے دست جنون بیعت ہے بندھا ہے زلف مسلسل سے سلسلہ دل کا

1 ”غم خانہ جاوید“ میں لالہ سری رام نے لکھا ہے

”ریاست ان کے عہد میں بالکل تباہ ہو گئی تھی۔ انتظام و کاروبار ریاست کی طرف سے بالکل بے خبر رہتے تھے۔ امیرانہ عیش و نشاط سے زندگی

بسر کرنا ہی اپنا اصول سمجھتے تھے۔“ جلد سوم صفحہ 517

2 نواب احمد علی خان رند کی ولادت 1785 کو رامپور میں ہوئی۔ 29 نومبر 1794 کو ریاست رامپور میں تخت نشین ہوئے۔ 25 جمادی الاول 1256ھ 26 جولائی 1840 کو وفات پائی۔ شاعری میں کرامت علی خاں شہیدی (متوفی 17 اپریل 1840 مدینہ منورہ) کے شاگرد تھے۔

جنہوں نے اس غزل کے بعض اشعار کو لاعلمی کے سبب دوسرے لوگوں کے نام سے لکھا ہے جو رند تخلص رکھتے تھے۔ اپنے تذکروں میں تحریر کر کے غلطی کی ہے۔

جو عندلیب نہ ہو اپنا دل لگانے کو تو کوئی کیا کرے اس تن کے آشیانے کو
تو اپنی ہستی پہ ہر گز نہیں سمجھتا ہے کہاں سے آوے مسیحا ترے سکھانے کو
یہ تیری ریش نہیں دام مکر ہے زاہد بڑھائی تو نے ہے یہ خلق کے پھنسانے کو

ولہ

پڑ نہ رہنا کسی صیاد کے پالے بلبل دیدگل کے تجھے پڑ جائیں گے لالے بلبل
اس کی بندوق کا پھر تو نہ نشانہ ہو جائے پھر یہاں تو نے پر و بال سنبھالے بلبل
پھر وہی کج قفس پھر وہی صیاد کا گھر اور دو روز ہوا باغ کی کھالے بلبل
جس شجر پر ترا جی چاہے نشیمن کر لے ٹوٹنے کے نہ ترے بوجھ سے ڈالے بلبل
کسی غنچہ کو چھوا اور نہ کوئی گل توڑا گھورتی کیوں ہے مجھے آنکھ نکالے بلبل
نہ رہے گل ہی گلستاں میں جو تھے رتبہ شناس اٹھ گئے سب ترے پہچاننے والے بلبل
چچہا رند کرے گا تو یہ ہو جائے گا بند کہہ دے گلیں کہ زباں اپنی سنبھالے بلبل

مستزاد

اشک آتے ہیں میری آنکھوں میں اب جو گل سرخ رشک ہر گلشن دہر
طرفۃ العین میں گلشن یہ کھلایا آہا کیجئے رنجہ قدم
دو جہاں سے نہیں کچھ کام ہے واللہ باللہ سچ ہے یہ اپنا سخن
اہل دنیا میں میں اب رند کہایا آہا نہ رہا کچھ مجھے غم

قطعہ

حشر میں جب حساب مانگیں گے الاماں شیخ و شاب مانگیں گے
اپنے ساقی لا اوبالی سے رند وہاں بھی شراب مانگیں گے

فردیات

زرد پوشی نے تری قتل کیا عالم کو کہیں ایسی بھی بھلا دیکھی ہے خونخوار بسنت
جس چشم میں دید کا اثر ہے وہ چشم و چراغ بالسر ہے
اور یہ دمنس جو جرأت (قلندر بخش جرأت) کی غزل پر ہیں، مجھے یاد تھیں یہ بھی لکھتا ہوں

بندمنس بر غزل جرأت

شوق مقدم میں رہی تیرے یہ حالت اپنی رات بھر آہ پلک سے نہ پلک اپنی لگی
چشم انجم کی طرح رہ گئی بس آنکھ کھلی دیکھتے دیکھتے گھر میں بخدا را تری
مضطرب ہم تو قیامت بت مغرور ہوئے
ہوتی گھڑیاں کوسن مری شق چھاتی ہے اور شہنائی کی دھن کیا کیا مجھے تڑپاتی ہے
کان میں اپنے تکتوروں کی صدا آتی ہے چھپ کے آتا ہے تو آ، رات چلی جاتی ہے
لوگ سب سو گئے دروازے بھی معمور ہوئے

در بارہ غزل کہ ابتداء ایش این است:

اس غزل کے بارے میں جس کا پہلا شعر یہ ہے

پڑ نہ رہنا کسی صیاد کے پالے بلبل
دید گل کے تجھے پڑ جائیں گے لالے بلبل

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ غزل سید محمد خان رند¹ لکھنوی کے دیوان میں موجود ہے۔
اس سبب ان کی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ بیشک ان کے دیوان میں درج ہے۔ مگر مندرجہ ذیل شعر
کے موجود ہونے کی وجہ سے اس غزل کے بارے میں کیا کہا جائے

1 نواب سید محمد خان ابن نواب سراج الدولہ غیاث محمد خان نیشاپوری، ولادت 4 ستمبر 1779 بمقام فیض آباد، وفات 1857 بمقام بمبئی۔ ابتداً میر مستحسن خلیق کے شاگرد رہے بعد میں خواجہ حیدر علی آتش سے اصلاح لی۔ اپنے وقت کے استاد اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ آتش کو خود ان کا استاد ہونے پر فخر ہے۔

اس کی بندوق کا پھر تو نہ نشانہ ہو جائے

پھر یہاں تو نے پر وبال سنبھالے بلبل

اگر واقعی یہ ان ہی کی (رند لکھنوی) کی تصنیف ہے تو اس شعر کی تحریر سے دور ہونے (تحریر نہ ہونے) کی کیا وجہ ہے، اس کے علاوہ یہ کہ اس دیوان کی اشاعت سے قریب چالیس سال پہلے یہ غزل رامپور میں عوام و خواص کی زبان پر تھی۔ اس زمانہ میں نواب صاحب بہادر نے اپنی بہت سی غزلیات لکھنؤ بھیجی تھیں۔ مبارک شاد خاں ساکن رام پور جو فقیر محمد خاں گویا کے رسالے کا جمع دار تھا۔ یہ شخص بہت خوبصورت، بہت آب دار شعروں کے تحفے وہاں سے لے کر آتا تھا اور نواب صاحب بہادر کے حضور پیش کرتا تھا۔ اور اس کے بدلے میں وہ نواب صاحب کے اشعار وہاں لے جاتا تھا۔ کیا تعجب ہے کہ یہ اشعار وہاں رند لکھنوی کے تصور کیے گئے ہوں اور بہت سے دوسرے اشعار جو دوسروں کے مضامین کے تھے اور اصل میں حضرت ممدوح (نواب صاحب) کی تصنیف نہیں تھے ان کی کلیات میں نقل ہو گئے۔

اس کے علاوہ بندوق اور شکار کے مضامین جو صاحب موصوف یعنی رند لکھنوی کے کلام کے لیے بالکل اجنبی ہیں۔ حضرت موصوف (یعنی نواب احمد علی خاں) کے کلام سے مکمل مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ وہ عہد طفولیت ہی سے شکار کے شوقین تھے (یہ بات) جیسا کہ اہل تحقیق سے پوشیدہ نہیں ہے اس دلیل سے اس شعر کے متعلق

کہاں ہے شیشہ مئے محتسب خدا سے تو ڈر

مری بغل میں چمکتا ہے آبلہ دل کا

کہا ہوا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جیسا کہ معلوم ہے کہ تین الگ الگ شاعر رند تخلص رکھتے تھے۔ ایک بنارس میں ہندو مذہب والا فقیر تھا۔ دوسرے حضرت ممدوح یعنی نواب صاحب بہادر رئیس رامپور، تیسرے سید محمد خان لکھنوی۔ تو پھر ترجیح تصنیف (شعر) کی قدامت کو دی جانی چاہیے۔

تذکرہ ”گلشن بے خار“ نے جو اس شعر کو رند بناری کے ساتھ منسوب کر دیا ہے تو اس نے غلطی کی ہے۔ کیونکہ جس زمانہ میں یہ تصنیف (شعر) اہالیان ریاست (رامپور) کے کانوں میں

بچپن ہی اس وقت شاید مصنف مذکور (رند بناری) مکتب میں تعلیم حاصل کر رہے ہوں گے۔ اس کے علاوہ اس طرح میں کئی غزلیں مشہور ہیں۔ اور ان کے گانے والوں (یعنی موسیقاروں) نے مختلف غزلوں میں سے دلچسپ اور پسندیدہ اشعار انتخاب کر کے اپنے گانے کے لیے ایک غزل بنائی ہوگی۔ اس سبب اکثر مولفان تذکرہ نے ان تصنیفات کو شعرائے رامپور کے احوال سے ناواقفیت کی بنا پر اپنی تصنیفات میں درج کر لیا۔ حالانکہ اس شعر کا مضمون اس امیر کبیر کے مناسب حال ہے جو سیر و شکار اور اس کے متعلقات کے انتہائی شوقین تھے۔

نواب محمد نصر اللہ خاں سلطان

سلطان تخلص نواب محمد نصر اللہ خاں¹ ابن نواب عبداللہ خاں خلف نواب علی محمد خاں، بانی ریاست رامپور، جو نواب فیض اللہ خاں والی ریاست رامپور کے داماد تھے۔ جب نواب علی احمد خاں بچپن میں نواب بنے تو وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر اور انگریزوں کی تجویز پر آپ کو عہدہ نیابت پر مقرر کیا گیا۔ سوجھ بوجھ کے امیر، بہادر، سخی اور مصوری کے فن میں یکتائے زمانہ تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ یہ اشعار ان کی یادگار ہیں۔ اسی² سال ہوئے کہ اس ناپائیدار دنیا سے رخصت ہو گئے۔

- 1 نواب محمد نصر اللہ خاں کی ولادت 1748 کو آنولہ ضلع بریلی میں ہوئی۔ اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم و تربیت کی گئی۔ تمام ہی تذکرہ نگاروں نے ان کے علم و فضل اور سخاوت و شجاعت کی تعریف کی ہے۔
- 2 آپ نے 26 شوال 1225ھ 1810 میں وفات پائی۔ غبر شاہ خاں غبر رامپوری نے حسب ذیل تاریخ وفات لکھی۔

یک ہزار و دوصد بہ بست و پنج بود از ہجرت رسول گواہ
ماہ شوال بود بست و ششم کہ بہ جنت رسید نصر اللہ

(انتخاب یادگار ص 174)

شب کو پہلو سے مرے اٹھ کے وہ گفام گیا بے کلی دل کو ہوئی جان کا آرام گیا
مہر جلوہ سے ترے چرخ پہ آیا نہ نظر بادلہ پوش ہو تو جبکہ سر بام گیا
آج ہونے کی گوارا نہیں پیش آمد غیر کل تو واللہ میں غصہ کے تیں تھام گیا¹

اگر عضو نزار اپنے نہ کرتے کام مژگاں کا تو کتنی بدنما تھیں حلقہ زنجیر کی آنکھیں

اس لب سے کیا لعل کا جب رنگ برابر تو دیکھا نہیں اس کے یہ پانسنگ برابر

اشک آتے ہیں کبھی سرخ کبھی دُر دانہ ہے نہاں چشم کے پردے میں جواہر خانہ

کل یہ بستر تھا نیشتر تجھ بن ایک آفت تھی رات بھر تجھ بن
میرے حق میں تو وہ ہی دوزخ ہے جاؤں میں خلد میں اگر تجھ بن
کفر کس کا ہے اور کیا اسلام آپ اپنی نہیں خبر تجھ بن
ہو درجۂ امید بار آور عمر کا کچھ نہیں مزا تجھ بن
آ رہی ہے لبوں پہ جان حزیں دم کا دم میں نہیں اثر تجھ بن
تو ہی اے ماہ ایک ہدم ہے کون لے جاوے وہاں خبر تجھ بن
گر میں سلطان ہفت کشور ہوں ایک مفلس ہوں سیم بر تجھ بن

1 اس غزل کے دو شعر ”انتخاب یادگار“ میں امیر مینائی نے نقل کیے ہیں جو بہت اچھے شعر ہیں

ہجر میں جھکو بھروسہ نہیں اپنے دم کا کل گیا آج گیا صبح گیا شام گیا
ہاتھ وہ بھی نہ لگا اپنے کہ جس کی خاطر دین و دنیا کا مرے ہاتھ سے سب کام گیا

شیخ سراج النبی سراج سرہندی

شیخ سراج النبی سرہندی¹، محمد ضیا النبی خاں ساکن رامپور کے ساتھیوں میں سے تھے۔ محمد ضیا النبی خاں نواب محمد نصر اللہ خاں کے زمانہ میں ایک عرصہ تک نواب وزیر الممالک (آصف الدولہ لکھنؤ) کے دربار میں وکیل رہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ کچھ ناواقف سراج (سرہندی) کی اس غزل کو سراج الدین علی خاں آرزو کی غزل کہتے ہیں جو غلط ہے²۔ رامپور کے تمام اساتذہ یہ غزل سراج النبی خاں کی ہونے پر اور ان کی تازہ خیالی کے گواہ ہیں۔ سچ کیا خوبصورت غزل کہی ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔ ساٹھ سال کا عرصہ ہوا کہ آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

1 سراج النبی ابن شاہ محمد مرشد، ولادت 1762 سرہند میں، وفات نومبر 1815 لکھنؤ میں، تدفین رامپور، صاحب تصانیف ادیب و عالم تھے۔

2 اس غزل کے بارے میں جارج فانتون نے کوئی ٹھوس دلیل پیش نہیں کی بغیر کسی ثبوت کے ایک ٹگوفہ چھوڑ دیا۔ مفتی صد الدین آزرہ نے اپنے تذکرہ آزرہ“ میں لکھا ہے۔ کہ ”اس غزل کو بعضوں نے سراج الدولہ حاکم بنگال سے منسوب کیا ہے۔ واللہ اعلم“ یہ تذکرہ 1711 سے 1814 کے درمیان تالیف ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی تذکرہ نگاروں نے اس غزل کو سراج اورنگ آبادی کی غزل بتایا ہے۔ مندرجہ ذیل غزل جس کو نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے اپنے تذکرے ”گلشن بے خار“ کے ص 94 پر سراج الدین علی سراج تخلص کی ایک ہندو لڑکی سے عشق کی داستان پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس موقع پر انھوں نے جو غزل لکھی وہ بہت مشہور ہوئی اور وہ غزل یہی ہے۔ جو فانتون نے لکھی ہے۔ لالہ سری رام نے بھی بغیر کسی حوالہ کے لکھا ہے کہ ”بعض نا نشانِ سخن۔ سراج الدولہ حاکم بنگال کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ ان کی فکر عالی کا کرشمہ ہے“ (خم خانہ جاوید جلد چہارم ص 150) سری رام نے اس غزل کے چھ شعر نمونہ درج کیے ہیں۔ بہر حال اس مقدمہ کا فیصلہ اس حاشیہ میں ممکن نہیں راقم الحروف نے اس غزل پر الگ سے ایک مقالہ ”سراج کی ایک غزل کا قضیہ“ کے عنوان سے قلم بند کیا ہے۔

خبر تحیر عشق سن نہ جنون رہا نہ پری رہی
 نہ وہ مے رہی نہ سبو رہا جو رہی سو بے خبری رہی
 چلی سمت غیب سے ایک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
 مگر ایک شاخ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی
 شہ بیخودی نے عطا کیا مجھے جب لباسِ برہنگی
 نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی
 وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی کیا درسِ نسخۂ عشق کا
 کہ کتابِ عقل کی طاق میں جو دھری تھی دوں ہی دھری رہی
 نظر تغافل یار کا گلہ کس زبان سے بیاں کروں
 کہ شرابِ صد قدح آرزوِ خمِ دل میں تھی سو بھری رہی
 ترا جوشِ حیرت عشق کا اثر اس قدر سے عیاں ہوا
 نہ تو آئینہ میں جلا رہی نہ پری میں جلوہ گری رہی
 کیا خاکِ آتشِ عشق نے دلِ بے نوائے سراج کو
 نہ حذر رہا نہ خطر رہا جو رہی سو بے خطری رہی
 معلوم ہو کہ شیخِ سراجِ النبی تخلصِ سراج کہ جس کا ذکر اوپر ہوا وہ رامپور کے قدیم
 شاعروں میں سے تھے۔ اور دوسرے سراجِ الدین کہ ان کا تخلص بھی سراج ہے آگے آتا ہے اور
 یہ رامپور کے نئے شعرا میں سے ہیں اور آج کل ریاست جے پور میں ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں۔

مولوی سراج الدین احمد خاں سراج

سراج تخلص، مولوی سراج الدین احمد خاں¹ ڈپٹی مجسٹریٹ ولد مولوی جلال الدین احمد خان جلالی رام پوری۔ علوم فلسفہ وغیرہ کی تعلیم دارالعلوم رام پور اور علم فقہ و اصول ممبئی اور حدیث شریف کی سند مدینہ منورہ سے حاصل کی۔ نوجوانی اور لڑکپن کے زمانہ میں اس طرح کا تقویٰ و پرہیزگاری میں (جارج فانتون) نے ان کی طرح کہیں نہیں دیکھا۔ راجستھان میں ان کی جیسی تعریف کسی کی نہیں سنی۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہیں۔ عبادت اور ریاضت میں بہت زیادتی، توجہ اور انہماک ہے۔ عالم باعمل، سچے صوفی، اور بے مثال شاعر و نثر نگار ہیں۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ ان کے کلام کا انتخاب ارباب سخن کے لیے تحفہ ہے۔

فارسی

ناز ہر جای تنت می خیزد از جای دگر من بہ ہر موی توئی بینم سراپای دگر²
حسن سنگین دل ز جنس خود تراشد جلوہ گاہ ورنہ جز طور آمدی جای تجلای دگر³

1 ساکن قدیم بنگلہ آزاد خاں موجودہ محلہ شاہ آباد دروازہ رامپور۔ 12 ذی الحجہ 1265ھ 1849 کو ولادت ہوئی۔ اساتذہ میں والد بزرگ مولوی جلال الدین احمد خاں جلالی، اور مولوی ارشاد حسین صاحب کے نام ملتے ہیں۔ شعلیت کے اچھے خوشنویس تھے۔ پہلے راجستھان میں ڈپٹی مجسٹریٹ رہے۔ بعد کو رامپور میں ”قادی عالم گیری“ کے ترجمہ کرنے پر مقرر ہوئے۔ چوبیس سال تک رامپور کے انگریزی ہائی اسکول میں عربی کے استاد رہے۔ 1838 میں انتقال کیا۔ بشارت علی خاں فروغ نے انھیں داغ کا شاگرد لکھا ہے۔ صاحب ”تذکرہ کاملان رامپور“ احمد علی خاں شوق نے کلام کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”کلام قلیل اور بلخ ہوتا تھا“

2 تیرے جسم کے اعضا کے ناز و انداز کہیں اور سے ہی پیدا ہوتے ہیں، میں تیرے بال بال میں دوسری ہی ذات جلوہ گرد کھتا ہوں۔

3 پتھر دل حسن نے اپنی جلوہ گاہ بھی اپنی ہی جنس سے تراشی ہے ورنہ تجلی کے لیے تو کوہ طور (یعنی پتھر) کے سوا اور بھی مقامات تھے۔

جز خیالِ او نمی گنجد دل ای جان برو کاندین اقلیم باشد کار فرمای دگر¹
 تیغِ او آبِ حیاتم دم نگهدار ای مسیح بہر جان عاشقان باشد مسیحی دگر²
 چند باشد محشری خواب پریشان بیش نیست خواہی از چشمِ فتنان تو ایما دگر³
 در جهان مارا فرستادند بہر اعتبار تا درین وحشت سرا ناید شناسای دگر⁴
 وای اسکندر بجای دل گرفت آہن بکار آئینہ را کاش بودی کار فرمای دگر⁵
 در جهان تیرہ دل جز با سر زلفی مہند کین پریشان شب نمی ارزد بہ سودای دگر⁶
 چشم من روشن سراج است کاندین آئینہ زار ہر دم پنم جمالی جلوہ آرای دگر⁷

ولہ

ای فلک چشم تماشا نہ تو داری و نہ من تاب دید رخ زیبا نہ تو داری و نہ من⁸
 تو ز شوخی و من از مضطربیا بیتاب شوخ من جان شکلبا نہ تو داری و نہ من⁹

-
- 1 دل میں ذات حق کے علاوہ کوئی نہیں سماتا۔ میری جان دیکھ لے اس اقلیم میں کوئی دوسرا کارفرما ہو تو بتا۔
 - 2 اس کی تیغ (عشق) میرے لیے آب حیات کا کام دیتی ہے۔ حضرت مسیح اپنے دم کو نگاہ میں رکھیں۔ یہاں تو عاشقوں کی جان کا مسیحا اور ہی ہے۔
 - 3 کوئی فتنہ محشر کیسا ہی کیوں نہ ہو اس کی حقیقت ایک خواب پریشاں سے زیادہ نہیں۔ میں تو تیری فتنہ ز آئینہ سے اور ہی اشارہ چاہتا ہوں۔
 - 4 دنیا میں ہم کو دوسروں کی عبرت کے لیے بھیجا گیا ہے تاکہ ہمیں دیکھ کر ہمارا کوئی شناسا اس وحشت کے گھر میں بخوشی نہ آئے۔
 - 5 افسوس! سکندر نے آئینہ بنانے کے لیے بجائے دل کے لوہے کو لیا۔ کاش! آئینہ سازی کے لیے کوئی اور یعنی دل کارفرما ہوتا۔
 - 6 اس اندھیری دنیا میں کسی کی زلف کے سوائے دل نہ پھنساتا کیونکہ یہ پریشان رات کسی اور کام کی نہیں۔
 - 7 سراج میری آنکھ چمکتا سورج ہے میں اس آئینہ زار میں ہر دم نئی تجلی ہی دیکھتا ہوں۔
 - 8 اے آسمان! دیکھنے والی آنکھ نہ تو رکھتا ہے نہ میں، رخِ زیبا کے دیدار کی تاب نہ تو رکھتا ہے نہ میں۔
 - 9 تو شوخی سے اور میں بیتابیوں سے بیتاب ہوں، اے شوق مزاج محبوب نہ تجھے صبر ہے نہ مجھے۔

توبہ چشم خود و من بادل خود مست مدام حاجت بادہ و صہبا نہ تو داری و نہ من¹
 من و تو ہرد و بقدر تو ز خلدیم آزار خواہش سدرہ و طوبیٰ نہ تو داری و نہ من²
 ناز کیہای تو شوخ است دین قتل سراج للہ الحمد کہ دعویٰ نہ تو داری و نہ من³

ولہ

کو تاب مہرورزی تو آفتاب را روی تو ہچھو برق زد آتش سحاب را⁴
 آموخت ست پیر فلک را ستم گری آن نوجوان کہ بُرد دل شیخ و شاب را⁵
 یارب چنانکہ جان و دل من تمام سوخت این روی آتشین تو سوز د نقاب را⁶
 کی خال پشت ابرویت از راز خالی است نقطہ نشان بود سخن انتخاب را⁷
 خواہم سراجیا کہ نشاںم بہ چشم دل
 خاک در جناب رسالت مآب را⁸

یہ دل ہے عشقِ خداوند دو جہاں کے لیے زباں ہے نعتِ شہنشاہِ انس و جاں کے لیے
 کسی کو فخرِ عبادت کسی کو نازِ زہد مجھے ہے الفتِ آلِ عبا وہاں کے لیے

- 1 تو ہر دم اپنی آنکھ کی مستی میں رہتا ہے اور میں اپنے دل کی واردات کی مستی میں رہتا ہوں۔ خام و پختہ شراب کی نہ تجھے حاجت ہے نہ مجھے ضرورت۔
- 2 تیری بلندی مرتبہ کی قسم میں اور تو دونوں خلد سے مستغنی (آزاد) ہیں۔ سدری اور طوبیٰ کی نہ تجھے خواہش ہے نہ مجھے۔
- 3 سراج کے اس قتل میں اے شوخ چشم تیرے ناز و انداز کو دخل ہے۔ الحمد للہ نہ تو تیرا ارادہ قتل کا تھا اور نہ میرا دعویٰ قصاص تجھ پر ہے۔
- 4 آفتاب کو تیری آتش فشانی کی تاب کہاں ہے۔ تیرے چہرے نے تو برق کی مانند دل کے بادلوں میں آگ لگا دی ہے۔
- 5 وہ نوجوان جس نے بوڑھوں اور جوانوں سب کا دل لے لیا، اس نے بوڑھے فلک کو بھی ستم گری سکھا دی ہے۔
- 6 یارب، جس طرح سے تیرے اس آتشی چہرے نے میرے دل و جان سب جلا دیئے۔ درمیان کے حجاب کو بھی جلا دیے۔
- 7 تیری ابرو کی پشت کا تل راز سے کب خالی ہے کیوں (دیوان میں کسی شعر کا نکتہ انتخاب کا نشان ہوتا ہے)
- 8 اے سراج میں چاہتا ہوں کہ دل کی آنکھ پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی خاک بٹھالوں۔

مطلع ثانی

تمام ظلم و ستم ہیں ہماری جاں کے لیے رکھا ہے کوئی بھی اے جاں آسماں کے لیے
 کوئی رقیب، کوئی ناصح ہے کوئی ہے عدو الہی کتنی بلائیں ہیں ایک جاں کے لیے
 خیال زلف میں تڑپے ہے دل شبِ فرقت کہ جیسے مرغ ہو بے تاب آشیاں کے لیے
 خیال زلف میں مرنا شبِ الم کیا کم گمیں ہیں خضر عبث عمر جادواں کے لیے
 خیال دشمن و افشائے راز و جانِ ضعیف بنا ہے نطق و گرنہ مری زباں کے لیے
 انہیں رقیب سے الفت انہیں عدو سے غرض یہ سارے جھگڑے ہیں اس جانِ ناتواں کے لیے
 مرا ہوں لذتِ شوقِ وصالِ دلبر میں تڑپ رہا ہے ہما اپنی استخواں کے لیے
 نہ ہوتا رشک تو کہتا عدو پہ وار نہ کر یہ تیغ ناز ہی کافی ہے امتحاں کے لیے

نہ کر سراج تو خوفِ حساب روز شمار

شفیع اُمّیاں بس ہیں عاصیاں کے لیے

شانِ محمدی شہِ صفدر سے پوچھیے قربِ علی کا حال پیمبر سے پوچھیے
 داماندگی جذبہ دل کا سبب ہے بخت دامن کشی و گرنہ ستنگر سے پوچھیے
 نے ظلم ہے نہ جور ہے اور سو ہزار ظلم ان کی ادا کو اس دل مضطر سے پوچھیے

ہوں میں سراج عاشقِ اولادِ پنجتن

احوالِ اپنا ساقی محشر سے پوچھیے

آج وہ ہم سے عبث برسرِ کیس بیٹھے ہیں آنکھ بدلی ہوئی اور چہیں بہ جبیں بیٹھے ہیں
 شبِ فرقت میں نہیں زیست کی امید ہمیں دم بدم منتظرِ وقت پسیں بیٹھے ہیں
 آسماں سے ہمیں جزِ رنج و الم کچھ نہ ملا عیش سے وہ ہیں کہ جو زیر میں بیٹھے ہیں
 پڑ گئی ہے مگر اس غیرتِ یوسف پہ نظر آج جو حضرت ناصح بھی حزیں بیٹھے ہیں
 آج کیوں محفلِ دلدار میں بلواتے ہیں دوست کیا وہاں حضرت ناصح تو نہیں بیٹھے ہیں
 خواہ ہو ظلم و ستم، خواہ عنایت کی نظر ہم تو اب در پہ ترے ماہ جبیں بیٹھے ہیں

ہوں تمنا کش دربار شہ جن و بشر جس کے دربان بنے روح امیں بیٹھے ہیں
 تجھ کو کیا فکر ہے کیا خوف قیامت ہے سراج
 تیرے حامی تو وہاں سرور دیں بیٹھے ہیں
 کل مجھ کو دیکھ بزم میں بولے وہ غیر سے شب کو یہاں ضرور کوئی پاسباں رہے
 شاید کہ بعد مرگ ہو اس ماہ کی نظر جب تک جیے وہ ہم پہ تو نا مہرباں رہے
 اگر فرشتہ بھی آوے تو ہووے جاں سے فدا انھیں یہ آتا ہے انداز دل لبھانے کا
 یہ دل ہمارا ہے سہتا ہے لاکھ ظلم و ستم کوئی نہ ایک یہ جور و جفا اٹھانے کا
 مجھے رلاتے ہیں غیروں کے وہ ہنسانے کو نیا نکالا ہے انداز دل جلانے کا

جانی صاحب شائق

شائق تخلص، جانی صاحب¹ خلف کپتان فانتون صاحب (برناڈ فانتون) شاعری میں
 میر نجف علی شفقت پیر زادہ کے شاگرد تھے²۔ سرکار بھرت پور میں ملازم رہے۔ آٹھ سال
 ہوئے وہیں (بھرت پور میں) انتقال کیا³۔ ان کے ورثا اسی سرکار کے زیر عنایت ہیں۔

1 یہ صاحب تذکرہ شعرائے رامپور جارج فانتون کے بھائی تھے۔

2 جارج فانتون نے ان کا نمونہ کلام نہیں دیا ہے۔ لالہ سری رام نے ”شم خانہ جاوید“ کی جلد چہارم صفحہ
 457 پر ان کا ذکر کرتے ہوئے نمونہ کلام میں چھ شعر لکھے ہیں۔ امیر مینائی نے ان کا صرف
 مندرجہ ذیل ایک شعر لکھا ہے۔

جور رقیب و منت دربان و طنز غیر کیا کیا جفائیں ہم نے سہیں تیرے واسطے
 انتخاب یادگار میں امیر مینائی نے ان کے کلام کی تعریف میں لکھا ہے کہ ”ذکاوت طبع میں یگانہ آفاق تھے“
 صفحہ 178۔ ایک شعر ”شم خانہ جاوید“ سے

ہم نے دل سو جگہ لگا دیکھا کوئی تجھ سانہ دل ربا دیکھا
 3 امیر مینائی نے انتخاب یادگار کی تالیف (1290ھ) کے وقت لکھا ہے کہ ”آٹھ برس ہوئے کہ وہیں
 قضا کی“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال 1285ھ 1865 میں ہوا ہوگا۔

سپاہ گری کے فن مثلاً گھڑ سواری، شمشیر زنی، نشانہ بازی وغیرہ میں یکتائے زمانہ تھے۔ ان کا حال اس تذکرے میں اس لیے لکھا ہے کہ ان کے والد ایک عرصہ تک سرکار رامپور میں نیابت کے عہدہ پر مقرر رہے اور موجودہ نواب کی رفاقت پر نازاں اور ممتاز تھے۔ اور تمام علوم و فنون کی تحصیل اپنے عالی مرتبہ آقا کے زیر سایہ حاصل کی۔ اب اتفاق زمانہ ہے کہ اس وقت اس سرکار سے دور، دوسری سرکار میں ملازم ہیں۔ تاہم مکمل نشو و نما اسی سرکار رامپور میں پائی۔ اللہ کرے اس سرکار (ریاست رامپور) کو تمام دنیاوی آفتوں اور فساد سے محفوظ رکھے۔

میر نجف علی شفقت

شفقت خالص، میر نجف علی نام¹ آخون یار محمد کے بیٹے تھے²۔ یار محمد، جو حضرت حافظ جمال اللہ صاحب³ کے مرید و خلیفہ، حضرت شاہ درگاہی کے مرید تھے⁴۔ فن شعری میں بڑی مہارت

- 1 ”انتخاب یادگار“ میں امیر مینائی نے ان کی وفات 1281ھ میں بہ عمر چھیاسٹھ سال لکھی ہے جس کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت 1205ھ ہوتی ہے۔
- 2 تذکرہ ”کاملان رامپور“ میں آخون یار محمد کے بارے میں یہ تفصیلات ملتی ہیں کہ ”حضرت عباس ابن حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اولاد میں سے تھے۔ شاہ درگاہی کے مرید تھے۔ سماع میں شریک ہوتے تھے، پنجاب کے رہنے والے تھے۔ 3 رمضان المبارک 1240 ہجری (20 اپریل 1825) میں انتقال کیا۔ اور شاہ درگاہی کے احاطہ مزار میں دفن ہوئے۔“
- 3 حضرت حافظ شاہ جمال اللہ، سید سلطان شاہ معروف بہ سید محمد روشن کے فرزند اور رامپور کے مشائخ صوفیہ کرام میں سے تھے۔ سلسلہ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے متصل ہوتا ہے۔ 3 صفر 1209 ہجری 29 اگست 1794 میں انتقال کیا۔
- 4 حضرت شاہ درگاہی ابن میاں شاہ لال بھی رامپور کے مشائخ صوفیہ میں سے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اولاد سے تھے۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ عمر بھر بازار کی مٹھائی، گھی اور دولت مندوں کے گھر کا کھانا نہیں کھایا۔ 14 جمادی الآخر 1226ھ 1811 کو وفات پائی۔

رکھتے تھے۔ شاہ نصیر¹ دہلوی کے شاگرد تھے۔ فن عروض میں ایک منظوم رسالہ جانی صاحب شائق رکھتے تھے۔ شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد تھے۔ فن عروض میں ایک منظوم رسالہ جانی صاحب شائق کے لیے لکھا ان کے نام کی مناسبت سے، ”جانی عروض“ نام رکھا۔ دریا کو کوزے میں لے آئے ہیں۔ آٹھ سال ہوئے کہ اس جہان سے رخصت ہوئے²۔

کشش تیری طرف ہو تو پہنچوں تیری منزل تک
ہوا دو ہی قدم پر کام آخر اپنی طاقت کا
ولہ

میرے آتے ہی ہوا ان کو بہانا خواب کا
ہے مگر آہٹ مرے پاکی فسانا خواب کا
خنجر ترے ہاتھوں میں سنبھل جائے تو اچھا حسرت ترے کشتہ کی نکل جائے تو اچھا
شاید کہ اٹھانے کے لیے آئے ہیں بے رحم دل کوچہ میں اس کے تو مچل جائے تو اچھا
ولہ

کیا خاک رکھیں اس سے رہائی کی توقع ڈھارس بھی اسیروں کی بندھانے نہیں آتا
کھا بیٹھے ہیں ہم آپ سے جانے کی قسم اور جھوٹوں بھی کوئی واں سے منانے نہیں آتا

مستوں کی روح کو نہیں خواہش گلاب کی پہلو میں میرے چاہیے بوتل شراب کی
جب زینت بخش زیں ہوا وہ شہسوار حسن بولا ہلال لڑ گئی قسمت رکاب کی
ولہ

سبزہ چاہ ذقن سے تو دل اب بچ کے چل کائی ہوتی ہے کوسیں پر تو پھسل جاتے ہیں

1 شاہ نصیر الدین نصیر دہلوی ابن شاہ غریب، اردو زبان کے معروف، قدیم شعرا اور اساتذہ میں سے تھے۔ 1761 میں پیدا ہوئے اور 23 نومبر 1838 کو حیدر آباد میں وفات پائی۔ آپ کی کلیات کا ایک نادر نسخہ ”کلیات شاہ نصیر“ کے نام سے رضا لاہوری ریمپور میں محفوظ ہے۔
2 شفقت کی وفات 1855 کورامپور میں ہوئی۔

دی کشتہ کو اس نے اپنے مئے کیا اس سے زیادہ خوں بہا ہو
 لیتا ہوں جو بوسہ میں شب وصل (ق) کہتا ہے وہ شوخ کرتے کیا ہو
 دیکھو تو ذرا پرے ہٹو بھی در سے نہ کوئی لگا کھڑا ہو

الفت ہے مجھ کو اس کے خطِ سبز فام سے کہو سلام خضر علیہ السلام سے
 امید ہے رہائی کی گیسو کے دام سے سودا پکا رہا ہوں خیالاتِ خام سے
 کیا ہی قسام ازل نے کی برابر تقسیم
 خال لب اس کو دیا داغِ سویدا مجھ کو

ق

اعدا کے طنز سے جو کوئی ہو رہا خموش آتے ہیں اس کے بدلے فرشتے کلام کو
 دیکھو جناب مریم اطہر کے صوم نے گویا کیا مسیح علیہ السلام کو

ہم ترے کوچہ سے اب عزمِ سفر کرتے ہیں
 اے صنم کیا کریں پتھر کا جگر کرتے ہیں

الہی کیوں سفر میں دیکھتا میں ماہِ شعباں کو
 ترستا ہوں پڑا جو سبزہ رخسارِ جاناں کو

نمودِ خط نے اس کے حسن کی غارت کری دولت
 جناب خضر بھی آئے نظر کچھ مجھ کو رہزن سے

محمد شجاعت علی خاں شجاعت

شجاعت تخلص¹ صاحبزادہ محمد شجاعت علی خاں ابن نواب محمد قاسم علی خاں ابن نواب محمد فیض اللہ خاں رئیس رامپور۔ عمدہ رکھ رکھاؤ اور عیس و عشرت کے ساتھ زندگی گزاری۔ ان کے کلام سے عورتوں سے صحبت (لگاؤ) کی بوزیادہ آتی تھی۔ پھر بھی وہ مزے سے خالی نہیں۔ یہ چند اشعار ان کے ہیں۔ دس سال سے زیادہ زمانہ ہوا کہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

بولے وہ شجاعت کہ ترے ہاتھ ہی ٹوٹیں
اک مسکے میں لاہی کا جو محرم کہیں مسکا

1 شجاعت کی ولادت 1808 کو رامپور میں اور وفات ستمبر 1856 میں ہوئی۔ شاعری میں مولوی الہداد حافظ شہرانی طالب رامپوری کے شاگرد تھے۔ انتخاب یادگار میں امیر مینائی نے خبر دی ہے کہ ”ان کا دیوان مرتب تھا لیکن تلف ہو گیا“ انھوں نے ان کا یہ ایک شعر بھی نقل کیا ہے۔
یہ کس کی ہے طاقت چھوے اس کا دامن
ہمیں ہیں جو بند قبا باندھتے ہیں

مولوی قدرت اللہ شوق

مولوی قدرت اللہ¹ ساکن رامپور، قائم چاند پوری کے شاگرد، عالم و فاضل شخص تھے۔ فن شاعری میں رامپوری شعرا کے پیش رو، حافظ شبراتی (طالب) ان کے براہ راست شاگردوں میں سے تھے اور غفلت و کرم بھی ان کے فیض علم سے فیض یاب تھے۔ صاحب دیوان ہیں جس کی ابتدا اس مطلع سے ہوتی ہے۔

پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا کہ اس دنیا سے رخصت ہوئے²

1 شوق کے والد کا نام شیخ قبول محمد تھا۔ جو موضع موئی قصبہ کا برتھیل بھیڑی ضلع بریلی کے رہنے والے تھے مولوی قدرت اللہ شوق کی ذات اردو ادب میں محتاج تعارف نہیں، لیکن اس نامکمل تذکرے پر چند ضروری باتوں کا اضافہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ شاعری میں محمد قیام الدین قائم چاند پوری کے شاگرد تھے۔ اپنے وقت کے معروف اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ شبیر علی خاں شکیب نے ”رامپور کا دبستان شاعری“ میں ان کے 13 شاگردوں کے نام گنائے جن کا شمار خود اردو کے معروف اساتذہ میں ہوتا ہے۔ ایک دیوان کے علاوہ تین تصانیف ”تاریخ جام جہاں نما“، ”تکملیہ الشعر جام جمشید“، ”طبقات الشعر“ ہیں۔ اس آخری تذکرہ تلخیص استاد مکرم محترم پروفیسر شاعر احمد فاروقی مرحوم (28 نومبر 2004) نے مع ایک عالمانہ مقدمے اور ترتیب و تدوین کے بعد مکتبہ برہان اردو بازاردہلی-6 سے 1968ء میں شائع کی۔ یہ تذکرہ راقم الحروف کے کتب خانے ”اسکالر پبلک لائبریری“ میں محفوظ ہے۔

2 شوق نے 1224ھ 1809ء میں وفات پائی۔ حکیم احمد خاں فاخر شاگرد شوق (متوفی 12 اپریل 1873) نے تاریخ وفات لکھی۔ جو امیر بینائی نے انتخاب یادگار میں نقل کی ہے۔

سفر کرد از جہاں چوں حضرت شوق
بر آورد از زبان ہر یک بشر ہاے
دلم تاریخ گفت از روی افسوس
سراج شاعری از بزم شد والے

موسیٰ کے طور ہو تو مقید نہ طور کا جلوہ ہر ایک جا ہے خدا کے ظہور کا
 ہے آفت جان وہ ہوں ہارا دیکھوں ہوں عروج پر ستارا
 اب کیا رہا ہے جس پہ رقیبوں کا ڈر کریں ہم تو بروں کی جان کو پہلے ہی رو چکے
 لاکھوں جلّائے مردہ صد سالہ آن میں فیض دم مسیح ہے اس کی زبان میں
 جب سے ہوا ہے زیب بنا گوش یار کا ہے عرش پر دماغ دُر شاہوار کا
 جلوہ گر عالم میں جس کا نور ہے ہے ہمیں میں پردہ ہم سے دور ہے
 شیشہ دل طاق ابرو پر نہ رکھ جب گرا وہاں سے تو چکنا چور ہے
 امشب کسی کا کل کی حکایات ہے واللہ کیارات ہے کیارات ہے کیارات ہے واللہ¹

انعام اللہ خاں شیفۃ

شیفۃ تخلص، انعام اللہ خاں² صاحبزادہ حبیب اللہ خاں خلف صاحبزادہ محمد کفایت اللہ
 خاں کے بڑے بیٹے تھے۔ نو جوان آدمی تھے۔ جوانی کی نادانی کے سبب اپنے والد پر غصہ
 ہوئے اور اپنے چاقو سے انھیں مار ڈالا³۔ جو والدین کی بیٹیوں سے توجہ کی کمی کا نتیجہ ہے کبھی کبھی
 اردو میں شعر کہتے تھے۔ یہ ان کا شعر ہے۔

- 1 یہ شعر قلندر بخش جرأت کا مشہور ہے۔
- 2 امیر مینائی نے ”انتخاب یادگار“ ص 178 پر اور حکیم نجم الغنی خاں نے ”اخبار الصنادید“ ص 533 پر ان کا نام ”عزیز اللہ خاں“ لکھا ہے۔
- 3 امیر مینائی نے باپ کے قتل کی وجہ یہ لکھی ہے
 ”ایک دن مورگا خوری کے واسطے چاقو یا تھ میں لیے تھے اور ان کے والد ماجد
 نے کسی امر پر برہم ہو کر بنظر تادیب طمانچہ مارنے کو ہاتھ بڑھایا انھوں نے
 بچانے کو جو ہاتھ اٹھایا تو وہ ہاتھ اتفاق سے ان کی گردن پر پڑا اور شریان (رگ)
 کٹ گئی تیسرے دن انھوں نے اسی زخم سے قضا کی“ اور یہ جو لوگ مشہور کرتے
 ہیں کہ عمداً یہ فعل سرزد ہوا خلاف تحقیق ہے (انتخاب یادگار ص 188)۔

شیفتہ کو اپنے مت دو گالیاں ہر بات پر
بد زبانی اس قدر اے بندہ پرور چھوڑ دو

نظیر شاہ خاں شاد

شاد تخلص، نظیر شاہ خاں خلف غلام محمد خاں ساکن محلہ ڈوگر پور دروازہ، کم مایہ اور معمولی آدمی تھا۔ لیکن علم و ہنر کا شوقین تھا۔ بچپن میں ہی رامپور سے مراد آباد پہنچا اور مولوی کریم الدین آرزو کی شاگردی اختیار کی۔ علوم عربی و فارسی حاصل کر کے کمال کو پہنچا اور فن شاعری میں بھی مولوی موصوف (کریم الدین آرزو) کا شاگرد ہوا جو بے مثال شاعر اور علم عروض و قوافی میں مکمل عبور رکھتے تھے۔ ”لیلیٰ مجنوں“¹ کے واقعہ کو فارسی نظم میں لکھ کر اصلاح سے مزین کرایا اور اپنے استاد کی تعریف کا مستحق ہوا۔ مولوی کریم الدین آرزو کی وفات کے بعد دہلی گیا اور ایک قصیدہ مدحیہ لکھ کر بادشاہ دہلی بہادر شاہ کے حضور پیش کیا۔ بادشاہ کے ملازم شعرا کے حلقہ میں شامل ہو کر پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ پر مقرر ہوا۔ فارسی زبان میں ایسے عمدہ شعر کہتا تھا کہ اس وقت کے شعرا کی اس کے

..... گزشتہ سے پیوستہ

حکیم نجم الغنی خاں لکھتے ہیں

”نواب سید علی احمد خاں کے عہد میں صاحبزادہ سید حبیب اللہ خاں نے اپنے بیٹے عزیز اللہ خاں کو گالیاں دیں، بیٹے نے باپ کے چھری مار دی، باپ مر گیا، عزیز اللہ خاں کے چچے بہت برا فروختہ ہوئے ان کی خاطر نواب سید علی احمد خاں نے قاتل کی کمر پر سو کوڑے لگوا دیے۔ (اخبار الصنادید ص 523)
نوٹ: انعام اللہ خاں (عزیز اللہ خاں) نے 1273ھ 1856 میں وفات پائی۔

1 ”لیلیٰ مجنوں“ کے بارے میں امیر مینائی نے لکھا ہے کہ

”قصہ لیلیٰ مجنوں فارسی میں نظم کیا ہے۔ مگر خدا جانے کیا ہوا کہیں اس کا پتا نہیں ملتا۔ (انتخاب یادگار ص 176)

سامنے شعر کہنے کی ہمت نہ تھی۔ جو شاعر شعر کہتا اس پر صحیح اعتراض کیے بنا نہ چھوڑتا دو سال تک بیمار رہ کر رامپور واپس آیا۔ جاں عزیز جان بخشے والے (اللہ تعالیٰ) کے سپرد کی یہ چند اشعار اس کے ہیں۔
پچاس سال ہوئے کی اس دنیا سے رخصت ہوا¹۔

ای فلک تا چند سازی این جفا و جور ہا
روی او یکبار ہنما باز جانِ ما بگیر²

ولہ

کیست آن دلربا کہ بر باید
دل بہ یک بوسہ ای لب جان بخش³
تلخ دشنام بت شیرین ادا طعنہ بر قند مکرر می زند⁴

ولہ

شاد عمر خویش در یاد خدا باید گذاشت
ورنہ بیکار ست و لا حاصل بہ دنیا زیستن⁵

میاں نجیب شاہ شا کر

شا کر تخلص، میاں نجیب شاہ خاں نام خلف سید عطاء النبی ساکن قصبہ شاہ آباد۔ مولوی کریم الدین آرزو مراد آبادی کے بھائی مولوی غلام محی الدین ہوش کے خاص شاگرد تھے۔ یہ شخص اپنے زمانے کے

1 نظیر شاہ نے 1241ھ 1825ء کو رامپور میں وفات پائی۔

2 اے فلک! یہ جور و جفا کب تک، ایک بار اس کا چہرہ دکھا اور پھر ہماری جان لے لے۔

3 کون ہے وہ دلبر (محبوب) کہ جس کو چاہیے جان بخشے والے ہونٹوں کے ایک بوسے کے بدلے میں دل۔

4 بت شیریں ادا کی تخت گالیاں طنز کرتی ہیں قند مکرر پر۔

5 شاد اپنی عمر کو اللہ کی یاد میں گزار دینا اور نہ دنیا میں جینا بیکار اور لا حاصل ہے۔

ادیب و شعرا پر انشا پردازی اور شعر گوئی میں سبقت لے گیا۔ اپنے استاد کو تین سال تک اپنے مکان پر رکھ کر، عجز و انکساری کے ساتھ (ان کی) خدمت کی اور دونوں فنون (انشا پردازی اور شعر گوئی) کو مکمل طور پر حاصل کیا۔ فارسی کا صاحب دیوان شاعر ہے اور اردو زبان میں بھی اچھے شعر کہتا ہے۔ عربی علم نحو میں ایک رسالہ ”مجمع القواعد“ فارسی زبان میں اس کی تالیف ہے۔ یہ چند شعرا اس کی یادگار ہیں۔ قریب پچاس سال ہوئے کہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔¹

شا کر بہ عمر خویش نکر دی عبادتی لیکن عطای اوست بنیں صرف حال تو
بگذار کارهای جهان و بخت برس بگذر ز خود کہ هر زه نگر در مقال تو

ولہ

نالاں چو آمد از چمن امروز عندلیب شاید ز بارگاہ شہ گل نشد قریب
ای در نہ نعال تو صد جان ناتواں افتادہ است عمر ابد تا شود نصیب
بہر خدا ز شا کر غمگین نسیم صبح فارس ل تحیۃ و سلام الی حبیب

ولہ

یہ عشرت عیش کامرانی کب تک عشرت بھی سہی تو نوجوانی کب تک
گریہ بھی سہی تو قیام دولت ہے محال دولت بھی سہی تو زندگانی کب تک

کسی کا کندہ گنینہ پہ نام ہوتا ہے کسی کا عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سراے ہے دنیا کہ اس میں شام و سحر کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

1 شا کر نے 1241ھ 1825ء کو رامپور میں وفات پائی۔ امیر مینائی نے لکھا ہے کہ

”نظم و نثر اردو اور فارسی دونوں زبان میں بصیرت رکھتے تھے“

(انتخاب یادگار ص 178)

کریم الدین صنعت

صنعت تخلص، کریم الدین نام¹ کوئی خاص پڑھے لکھے نہیں تھے۔ سادہ کار تھے صنعت گری و تضمین نگاری میں مہارت پیدا کی تھی۔ مشاہیر میں سے تھے اور ہر مشاعرہ میں شرکت کرتے تھے۔ یہ تضمین ان کی مشہور ہے۔ پچاس سال سے زیادہ وقت گزرا کہ اس جہان فانی سے گزرے²۔

دل جگر دید کو از بسکہ جو تر سے بر سے چشم میں آئے تو پھر نوعِ دگر سے بر سے
ابر نیساں بھی نہ اس رنگِ ہنر سے بر سے ”کبھی آنکھوں سے کبھی لُحّت جگر سے بر سے“
”اپنی آنکھوں سے تو کچھ لعل و گہر سے بر سے“

رعد نے طرزِ اڑائی ہے مرے نالہ کی برق شاگرد مری آہ کی ہے ادنا سی
ابھی اک پل میں ہی پھرتی ہے اس کی شوخی ”اشک اٹھا ہے مرا ابر سے کہہ دو کوئی“
”آبرو چاہے تو ہٹ کر مرے گھر سے بر سے“

بعد اک عمر کے وہ شوخ مرے گھر آیا رات بھر مجھ سے پلنگ پر وہ ہم آغوش رہا
جی نوبت بجی اور صبح کا تارا نکلا ”جی گیا، زور گیا، آب گیا، یار گیا“
”سینہ سے جسم سے اور دیدہ تر سے بر سے“

1 آپ کے والد کا نام ”شیخ تھو“ تھا ”انتخاب یادگار“ میں ان کے وطن کے بارے میں نہیں بتایا گیا، وفیات مشاہیر اردو“ میں ”صنعت رامپور“ لکھا گیا ہے، لیکن ”رامپور کا دبستان شاعری“ میں شکیب صاحب نے ”صنعت۔ شیخ کریم الدین مراد آبادی“ لکھا ہے۔

”انتخاب یادگار“ میں ہے کہ ”صنعت زرگری میں مہارت رکھتے تھے۔“
صنعت شاعری میں مولوی قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک قلمی دیوان، خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا رضا لاہیری رامپور میں محفوظ ہے۔

2 صنعت کی ولادت 1190ھ 1776 میں ہوئی اور تاریخ وفات 3 محرم 1265ھ 1848 ہے۔

یہ وہ دامن ہے مرا جس کی نہیں تجھ کو خبر اشک پوچھا ہے مرا یار نے اس سے اکثر
گو کہ تر دامنی مشرب میں نہیں اپنے پر ”جس قدر ابر تو بر سے ہے نچوڑوں میں اگر“
”اتنا پانی تو مرے دامن تر سے بر سے“

نہیں باراں کی مسلسل یہ جھڑی اے لوگو جس سے تشویش مکانات کی ہے عالم کو
بات پانی تو یہ مشکل ہے و لیکن سوچو ”اس قدر ابر میں قطرات کہاں ہیں یہ تو“
”کسی مشتاق کے ہیں دیدہ تر سے بر سے“

یہ مثل کہتے ہیں ہر چند بڑے اور چھوٹے کہ برستا نہیں وہ جو کہ بہت سا گرے
پر جو دیکھا تو یہاں صاف وہ جھوٹے نکلے ”رات بھر نالے کئے ہم نے تو دن بھر روئے“
”جس قدر شام سے گرے تھے سحر سے بر سے“

گرچہ دل ہوتا ہے ہر ایک وا ابر کو دیکھ پر یہ جی بیٹھا ہی جاتا ہے اٹھا ابر کو دیکھ
ہم نشیں کیونکہ نہ مانوں میں برا ابر کو دیکھ ”اس کے آنے کا ہوا وقت بھلا ابر کو دیکھ“
”خون دل کیوں نہ مرے دیدہ تر سے بر سے“

آج کا روز کٹا مجھ کو تو گھڑیاں گن گن اور گھرا آنا تھا کیا ابر کو آج ہی کے دن
بوند اس وقت ہے بوندی کی کٹاری اس بن ”یہ تو کہتا نہیں میں میٹھ نہ بر سے لیکن“
”جب وہ آجائے تو پھر جتنا یہ بر سے بر سے“

کہا صنعت نے مجھے لعل و گہر ہیں طالب بات پردہ کی ہے آپ اس سے خبر ہیں طالب
گو کہ ابتر ہیں ولے نور بصر ہیں طالب ”اشک گلگوں نہیں یہ لخت جگر ہیں طالب“
”آج آنکھوں سے جو کچھ اپنی شرر سے بر سے“

جارج فالتون صاحب

صاحب و جرجیس۔ تخلص جارج فالتون خلع کپتان برنارڈ فالتون فرانسیسی قوم کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ اس کے باپ (یعنی کپتان برنارڈ فالتون پیدائش 1771) ہندوستان کے شہر پونا چیری جو شاہ فرانس کی حکومت کی راجدھانی تھا اس کی اعلیٰ کونسل کے رکن مقرر ہوئے اور ہندوستان میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔

جرجل موہی رامون صاحب کی سرکردگی میں 28 اپریل 1786 کو سولہ سال کی عمر میں نواب نظام الملک والی دکن کی سرکار میں جو فرانسیسی فوج ملازم تھی اس میں شامل ہو کر کپتانی کے عہدہ پر نوکر ہوئے۔ چونکہ جرجل موصوف (موہی رامون) کے رشتہ دار تھے ان کی وجہ سے جلد ترقی حاصل کی۔ اتفاق سے جرجل موہی رامون کی وفات کے بعد اس سرکار کے حالات نواب کے نائب میر عالم کی وجہ سے خراب ہو گئے کیونکہ نواب مدوح خود نوے سال کی عمر سے زیادہ تھے۔ یہاں کی ملازمت چھوڑ دی۔ اس جگہ سے علاحدہ ہوئے 1797 میں میں جے پور میں کرنیل گارڈنر صاحب مشہور بہ گارن صاحب کی فوج میں اسی عہدہ پر نوکر ہوئے۔ اس کے بعد 1800 انگریزی حکومت میں جرجل لارڈ لیک صاحب کے زمانہ میں جرجل اختر لونی صاحب کی ماتحتی میں کچھ سال اسی عہدہ پر ملازم رہے۔ 1806 میں پینشن پائی۔ چونکہ آپ فن طب (حکمت) میں بھی مہارت رکھتے تھے اس لیے سپاہ گری کے پیشہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی باقی عمر ہندوستانی امرا کے علاج میں گزاری اور ان کے انعام و اکرام کے مستحق ہوئے۔ 1819 میں نواب احمد علی خاں بہادر والی ملک رامپور کی سرکار میں رسوخ حاصل ہوا، انگریزی سرکار کی اجازت سے کبھی کبھی ان کے علاج کے لیے رامپور جاتے تھے، یہاں تک کے دوستانہ تعلقات ہو گئے تو 1830 میں نواب صاحب (احمد علی خاں) کے بلانے پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور 1837 تک رامپور میں رہے۔ رہائش اور کھانے پینے کے خرچ کے علاوہ ایک ہزار روپے ماہانہ تنخواہ پاتے تھے۔ کچھ سال نیابت کا کام بھی

انجام دیا۔ مگر اسی سال حضرت عرش آرام گاہ محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی نے علاج کے لیے انھیں نواب صاحب سے طلب کیا۔ لیکن اللہ کے حکم سے ان کے دہلی پہنچنے سے پہلے ہی بادشاہ ممدوح انتقال کر گئے۔ اور 1840 میں نواب صاحب ممدوح (بھی) وفات پا گئے۔ پھر انھوں نے بھی 1845 میں بریلی میں وفات پائی۔

فانتون کی وجہ تسمیہ عوام میں یہ ہے کہ 1820 میں آپ نے حضرت عرش آشیانی بادشاہ دہلی کی بہن کا علاج کیا تھا تو شاہی فرمان میں مع انعام و اکرام کے فانتوم کی جگہ فلاطون بہادر لکھا گیا تھا اس کے بعد سے ہی جہاں وہ فرمان پہنچا تو اسی نام سے تھا۔ یعنی خادم خاص لائق عنایات ڈاکٹر فانتون بہادر ہمیشہ شاہی مہربانی اور نوازشات سے نوازے جاتے رہے ہیں اور فانتون کی جگہ مزید کے سبب فلاطون تحریر فرمایا اس لیے فانتون مشہور ہو گیا۔

جرجیس فالتون ان کے بڑے بیٹے ہیں۔ عربی، فارسی، انگریزی تعلیم اپنے نامور باپ کے زیر سایہ حاصل کی۔ حافظ شہرانی جو کہ رامپور کے مشاہیر علما میں سے تھے، عربی پڑھی اور مولوی نور الاسلام جو مولوی محمد سلیم اللہ پریم والہ کے خاندان سے ہیں اور ان کے بھائی مولوی محمد حفظ اللہ سینٹولی والا جو کہ ”کاغذنامہ“، ”آداب الصبیان“ اور ”انشائے فیض رساں“ کے مصنف ہیں اور دوسرے اساتذہ سے کچھ فارسی کتابیں پڑھیں۔ کبھی کبھی شاعری میں پر میر نجف علی شفق خٹک آخون یار محمد، خلیفہ میاں درگا ہی شاہ صاحب، جو حضرت حافظ شاہ جمال اللہ صاحب قدس سرہ کے مرید اور شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد تھے، سے اصلاح لی۔

معلوم ہو کہ جرجیس، پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کا نام ہے جو ہر روز کفار کو دعوت دیتے تھے (تبلیغ کرتے) اور ہر روز کافر انھیں قتل کر دیتے تھے وہ اللہ کے حکم سے پھر زندہ ہو جاتے تھے وہی انگریزوں کے قطب ولایت تھے اور انہی کو انگریزی میں ”جارج“ کہتے ہیں۔ یہ چند اشعار اردو، فارسی اس کے ہیں۔ اس (جرجیس) کو اس تذکرے میں شامل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سرکار رامپور کے پرانے نوکروں میں سے ایک ہے اور حضرت نواب والا جناب فلک رکاب رئیس حال پر اس کو فخر و ناز ہے۔ (اللہ تعالیٰ) ان کے دبدبہ کو ہمیشہ رکھے۔ اور ان کے درجات کو بلند کرے اور ان کی لمبی عمر ہو۔

اشعار فارسی

سوی من آن بت کافر خدا را ادا های تو کشته کرد مارا
 من و امید وصلی آن شه حسن مگر لطفی کند حال گدا را
 بخونم پنجه خود را بکن رنگ رسد در هند اگر خواهی حنارا
 پیام خود چنان او را رسانم مگر قاصد کنم باد صبا را
 من و دست بدامن تو از شوق تو و این دامن افشانی خود آرا
 بلای عاشقی از من مپر سید پناه ای دوستان جان شما را
 چه امید وفا زان دوست دشمن که نشناسد حقوق آشنا را

وله

امید صبح و وصال صنم نماند مرا شب فراق بروز سیه نشاند مرا
 چگونه دست طلب بوسه را ازو دارم بقی که گاهی بدشنام هم نخواند مرا

وله

بهر جنون خاطر از زلف و موی بس است
 خوش گفته اند ابل خرد دیوانه راهوی بس است
 لطفی ز تا طور صنم بر حال خود دان مغتنم
 از خرس نامیمون بدست آید اگر موی بس است
 لاف رقیب سگ شیم از قی اذ یک نیست کم
 با هجر هم پهلوشدن کار نه خاشاک و خس است
 مپسند چینی بر جبین جای تف و تیزی ببین
 تو هم خدا داری چرا این منت هر ناکس است
 رویت مکن هر سومی را یکسو بیاری رویی را
 حرفیست بس بهر عمل در خانه گر صاحب کس است

ای رہرو بقا بوا بیرون منہ از جادہ پا
میدان کہ این دزد فنا بہر حوادث در پس است

ولہ

کام دل طلسم از بُتِ خود کام ہنوز می پزم در دل خود این ہوسِ خام ہنوز

ولہ

زگرم جوشی دلدار با من مسکین چہ زحمہا کہ نخوردند دشمنان بر دل

ولہ

لبت چنان کہ چکد شہید ناب ازان در جان دہان چنانکہ کشد غنچہ رشک صد بر جان

رباعی

تا عشق تو در سینہ من منزل کرد ترکی نہ چہا چہا برین بیدل کرد
با چشم تو زہار نہ آہو گیرم کاین کافر ماجرا بجانم دل کرد

رباعی

گر دوست مرا دوست ندارد چکنم بر حال من از رحم نیارد چکنم
راضی برضای دوست باش ای جرجیس تحریر ازل نمی شود رد چکنم

قطعہ انگریزی کا ترجمہ جوگری (Thomas Gray) نام شاعر کے مشہور قصہ سے ہیں جو
کہ انگریزی کی عمدہ نظم ہے اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہوا ہے۔

بسا جوہر خوش آب در تہ دریا فتادہ است کی کس ہیچ ازان ندارد یاد
بسا گلی کی دمیدست و کس ندید آن را کی بویی خویش بہ ویرانہ می دہد بر باد

اشعار اُردو

لب سے لب ملتے ہی پیدا لطف باہم ہو گیا نقش بوسہ گویا نقشِ خطِ توام ہو گیا
بوسہ خال لب شیریں کی حسرت میں مَوا قند کجہ کا نہ ملنا ہی مجھے سَم ہو گیا
اب اٹھاتا ہوں میں اُس پانوپڑے الفت سے ہاتھ تیری خود بینی سے اپنا ناک میں دم ہو گیا

لالہ گوں رخسار تیرے ساقیا دائم رہیں دولت جام مرقوق میں بھی اب ہم ہو گیا
 تا خط بغداد ساقی میرا تیرا عہد تھا کیوں فرو دینہ تلک رطل گراں کم ہو گیا
 فرش محمل پر بھی بے خوابی مجھے تجھ بن رہی ریش پر جیسے نمک ہر تار ریشم ہو گیا
 اُس پری نے اپنی آرائش کری جو روز عید ہر طرف سے شورِ نتِ نت اور جم جم ہو گیا
 ہو گئے بوسے سے اس بت کے لب نازک واہ نیرنگی کہ دم میں لعل نیلم ہو گیا
 صبح گلگشتِ چمن سے جو پینا آ گیا
 اُس گلِ عارض پہ صاحبِ رشکِ شبنم ہو گیا

ولہ

سوال بوسہ پہ گالی کھائی کری شکایت منہ چڑایا
 کمی یہ قسمت کی اپنی دیکھو کبھی نہ سیدھا جواب پایا
 کبھی شبِ وصل میں جو سوئے تو صبحِ فرقت نے آجگایا
 نہ آنکھ لگتے ہی دیر تھی کچھ کہ سب خیال اور خواب پایا
 الہی کیسا یہ نیل بکڑا ہے گردشِ چرخِ نیل گوں کا
 جو سختِ وازون کی طرح اس میں ابھی تلک انقلاب پایا
 یہ تشنہ کامی میں اپنی ساقی بہت تھی امید تجھ سے ہم کو
 مگر یہ امید بر نہ آئی شراب کی جا سراب پایا

ولہ

اُن کے چلنے میں یہ کرتی ہے صدا خلخالِ پا سیکڑوں دل کیوں نہ ہوں اُس چال پر پامالِ پا
 ہے قیامت دور ابھی آہستہ ہو مشقِ خرام شورِ صورِ حشر رکھتی ہے تری خلخالِ پا
 ہے دمِ شمشیر راہ کوئے جاناں آج کل سر کے بل بھی واں نہیں ممکن ہے اب ادخالِ پا
 اے صنم دیکھے نگاہ بد سے تجھ کو جو کوئی پانو کی مہدی ہو تیری ہو ترا پامالِ پا
 اے صنم گر تو قدم رنجہ کرے میری طرف دیدہ و دل دور جاویں بہر استقبالِ پا

گر اجازت ہو تو سینہ سے لگا لوں میں اسے ہے سویدائے دل صاحب یہ تیرا خال پا

ولہ

پانو پڑنے کے سوا کچھ نہ بنا دیکھ لیا بارہا عشق سے ہاتھ اپنا اٹھا دیکھ لیا
تاکتے رہ گئے نرگس کی طرح حیرت سے نگہ ناز جدھر تو نے اٹھا دیکھ لیا
کشش آہ سے کہنے لگا اللہ اللہ قامت سرو رواں جس نے ترا دیکھ لیا
ابروئے یار ہی کیا تیرا مقر ہے اے دل کیا یہیں تو نے بھی نعل اپنا گڑا دیکھ لیا

ولہ

کف مقصود میں جب گوشہ زریں کمر پایا کمر ڈھونڈھی تو عنقا تھی مگر عنقا کا پر پایا
تو اے جربیس دھواغ گنہ اشک ندامت سے پے گوش قبول اس سے نہ اب بہتر گہر پایا

ولہ

برنگ بوئے گل شکفتہ نہیں گرانے شعار اپنا
نسیم آسا کبھی نہ ڈالا کسی کے کاندھے پہ بار اپنا
نہیں ہے افسوس اُس ستمگر کے دل پہ کچھ اختیار اپنا
کہ جس نے تاراج اک نظر میں کیا ہے صبر و قرار اپنا
دکھائی گیسو نے شام غربت نظر میں چاروں طرف ہے ظلمت
یہی ہے رہ رہ کے دل کو حیرت کہ دور چھوٹا دیار اپنا
نہیں بدلنے کی عادت اپنی ہے ترک خو سے عداوت اپنی
طبیعت اپنی ہے طینت اپنی خمیر اپنا خمار اپنا
کہاں مفر اور کہاں ہے مامن نہ کیوں پریشاں ہوں جان اور تن
ہوا وہی شخص اپنا دشمن جسے سمجھے تھے یار اپنا
اگر وہ رہتا ہے ہم سے غافل لگائیں کیوں اُس سے اپنا ہم دل

کریں وہ کیوں کار مرد عاقل کہ جس سے کم ہو وقار اپنا
 وہ کوئے جاناں چمن ہے اپنا وہ زلف مشکیں وطن ہے اپنا
 وہی خطا و ختن ہے اپنا وہی چین و تار اپنا
 نہیں ہے مے گرسبو میں وانی پلا دے ہم کو جو کچھ ہو باقی
 دکھا رہی ہے چمن میں ساقی ہمیں تماشا بہار اپنا
 یہی ہے سولائے شوق سر میں وہ آئے کس طرح اپنے بر میں
 کہ جس نے تاراج ایک نظر میں کیا ہے صبر و قرار اپنا
 وہ شوخ ہم سے اگر خفا ہے نہیں ہمیں اُس سے کچھ گلہ ہے
 شعار اُس کا اگر جفا ہے وفا ہے صاحب شعار اپنا

نفسِ عدو سے آگہ رہتا ہے دل ہمارا آئینہ سکندر گویا ہے دل ہمارا
 کچھ ہمدرد نہ پوچھو حال سکوت حیرت آئینہ بر نفس اب رکھتا ہے دل ہمارا
 اک گردش نگہ میں حالتِ ردی ہے اپنی اے یارِ ناخدا ترس کتنا ہے دل ہمارا
 جذبِ حبیب شاید ایسے میں کچھ مدد دے ہاتھوں سے در نہ صاحب جاتا ہے دل ہمارا

وہ دلربا جو آپ سے مائل ادھر ہوا میرے ہی جذبِ دل کا یہ شاید اثر ہوا
 بندش ہوئی ملاپ سے اُن کے شباب میں ناظور گرد آئے جو پختہ شمر ہوا
 لبِ داہوئے نہ تھے کی وہیں ایک بوسہ میں مختوم دفتر گلہ یک دگر ہوا

ٹھوکرے کھاؤں کہاں تک تیرے داماں سے لپٹ ایک دن تو میری جاں آکر گریباں سے لپٹ
 نہ جھٹک خاک کی مانند مجھے داماں سے ایک دن جاؤں گا میں تیرے گریباں سے لپٹ
 آستین کھینچے آنکھوں پہ نہ اُس سے زہار جو طلبگار اماں ہو رہے داماں سے لپٹ
 سروِ قامت کے ترے یاد میں کیوں فاخنتہ وار شورِ کوکو نہ کروں سروِ گلستاں سے لپٹ

اذن بوسہ کی نہ دیکھی دل بے تاب نے راہ لے ہی آخر کو لیا عارض رخشاں سے لپٹ
طالب گوہر مقصود جو تو ہے صاحب (ق) بن کے خاک کف پایار کے داماں سے لپٹ
خاک سے جب تو بنے سرمہ چشم اقبال سلک گوہر کی طرح گردن جاناں سے لپٹ
ہلال پہلے تھا اور اب ہوا ہے بدر کمال بجا ہے ہووے جو اُس ماہ کا دو چند مزاج
یہ خوشگوار ہیں اُس لب کے بوسہ و دشنام لذیذ جیسے ہوں گلاب و قند مزاج

کس سرگمیں نگاہ کا دل پر لگا ہے داغ مَرُوم کی شکل خال سویدا بنا ہے داغ
سرمہ کا داغ رخ پہ نہیں چشم زخم کو یہ چشم آرزو کی نظر کا پڑا ہے داغ
بوسے کا تم کو، کو سے کا مجھ کو نہیں گلہ باتوں سے تم نے، انتوں سے میں نے دیا ہے داغ
طرفہ ہے حسن و عشق کا باہم معاملہ دل دے کے ایک گل کو جگر پر لیا ہے داغ
اس حسنِ عارضی پہ نہ کیجئے بہت گھمنڈ خورشید و ماہ کو بھی فلک پر لگا ہے داغ
گر داغ عشق لینا ہے صاحب تو دل پہ لے
یوں جھوٹ موٹ ہاتھ پہ چھلے کا کیا ہے داغ

خامشی غنچہ کی ہے اُس کے دہن کی تعریف لال ہے گل کی زباں، ہے یہ بدن کی تعریف
غیرت سب کہوں یا ثمرِ نخل مراد تھوڑی ہے جتنی کروں اُس کے ذقن کی تعریف
یہ فرماؤ صنم ہم تم رہیں گے اب جدا کب تک رہے گا درمیاں میں پردہ ما و شما کب تک
کبھی تو اپنے آشفتمے سے بولو مہربانی سے رہے گی ہم سے اے مغرور یہ بے اعتنا کب تک

قتل عاشق پہ جب مچلتے ہیں پھر یہ سفاک کب سنبھلتے ہیں
گرم جوشی ہے یار سے میری غیر نارِ حسد سے جلتے ہیں
بدنِ یار ہے یہ کچھ شفاف پانو نظارہ کے پھسلتے ہیں

لب نے تیرے سرخی خون کبوتر دی اڑا چشم میگون دیکھ بکھری ہو کے بیخود جام مل
اندھ جوڑا اُس پری پیکر نے بس اک آن میں کثرت و وحدت کا دکھایا حساب جز و کل
سرو و شمشاد و صنوبر پست آتے ہیں نظر قامت دلدار کچھ ایسا گیا آنکھوں میں ٹل
وقت، بد میں کوئی اپنا بھی نہیں دیتا ہے ساتھ

سایہ بھی چھپ جائے ہے پانو تلے وقت زوال
دود سا اٹھا جو آتا ہے نظر ہر سوئے شمع روح پروانہ بلا گرداں ہے گرد روئے شمع
عکس رخ سے اک عجب عالم دوپٹہ کا تھارات ہر لہر آب رواں کی بن گئی تھی جوئے شمع
پرتو نور تجلی شمع ہے صاحب تو بس شکل انگشت شہادت ہے یہ دود روئے شمع

گول باتوں کا اُس کے ہے جو خیال شعر سانچے میں اپنے ڈھلتے ہیں
سبز رنگوں کے ظلم مت پوچھو (ق) میرے چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں
خوش نہیں ہر کسی سے لگ چلنا ہم اُسی غم میں جلتے جلتے ہیں
جو کہ انسان ہے سو وہ صاحب آدمیت کی چال چلتے ہیں

زیور نہیں ہے پنجہ دست نگار میں ہیں غنچہ بہار کھلے شاخسار میں
چڑیوں کا وقتِ شام بسیرا ہے شاخ پر دلہائے پُرغماں نہیں گیسوئے یار میں
میرے طرف سے اُن کے کدورت یہ دل میں ہے نامہ بھی لکھتے ہیں وہ تو خط غبار میں
صاحب بہار حسن کھلائے ہزار گل ممکن ہے فرق آئے دلِ داغدار میں
جس گل کا ہوں میں بلبل شیدا اُسی کا ہوں دس میں کہوں یہ بیس میں سو میں ہزار میں

لب پہ گلوں کے کس طرح مہر سکوت دیجیے تم نے تو دے کے بوسہ بھی یوں نہ کھی کیا کہ یوں
کیونکہ رہ ثبات میں ہووے گزار بے دلیل دل تو صاحب اپنے پوچھ یوں کو ہے راستا کہ یوں
کون کہتا ہے مری اُس کو خبر کچھ بھی نہیں پر محبت کا مری اُس پہ اثر کچھ بھی نہیں

سب غلط ہے کہ محبت میں اثر کچھ بھی نہیں
 ہے اگر حال سے عاشق کے تغافل میں ادا
 دل دہی میں فقط اندیشہ رسوائی ہے
 اپنے سودا زدہ زلف کو بس چھیڑ نہ تو
 خاطر یار سے دھوئی نہ ذرا گرد ملال
 حجت نکتہ باریک ہے وہ موئے میان
 ایک تو نورِ نظر پیشِ نظر میرے رہے
 اشک کیوں آنکھوں سے جاری ہیں اگر کچھ بھی نہیں
 تو بناوٹ ہے سب اُن کی کہ خبر کچھ بھی نہیں
 جب گوارا کیا یہ بھی تو خطر کچھ بھی نہیں
 کھیل جاتے ہیں جو سر پر نہیں ڈر کچھ بھی نہیں
 تیرے رونے سے ہوا دیدہ تر کچھ بھی نہیں
 خطِ موہوم ہے یا ہے تارِ نظر کچھ بھی نہیں
 اس سے بڑھ کر مجھے منظورِ نظر کچھ بھی نہیں

کیوں اشک سے یہ آنکھیں میری بھری ہوئی ہیں
 ہم تو ابھی سے بولے جاتا ہوں میں، اور اپنے
 وعدہ خلاف ایسا ہے انتظار تیرا
 کیا شغلِ آفتابی اے ماہرو ہوا ہے
 ناگفتی ہیں بالکل کس طرح تم سے کہیے
 وہ پیچ زلف جادو اس پر وہ چینِ ابرو
 وہ مہر کی نگاہیں مجھ سے پھری ہوئی ہیں
 کیا کیا نہ آرزوئیں دل میں بھری ہوئی ہیں
 در کی طرف نگاہیں ہر دم لگی ہوئی ہیں
 چہرہ ہے متمایا آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں
 باتیں تمہاری جو کچھ دل میں بھری ہوئی ہیں
 کیا کیا گرہ نہ اپنے دل میں پڑی ہوئی ہیں

کیونکر نہ آشکارا ہو اپنا حال صاحب
 پوشیدہ وہ نگاہیں دل میں گھچی ہوئی ہیں

ہم پہلے سے تم پر مر چکے ہیں
 طوفان کیا کیا تیرے غم میں
 باقی کیا اور رہ گیا ہے
 اور جانِ رقیب کو تو روکے
 دینی ہے زکوٰۃ حسن تو دو
 جھگڑے دلدار و دل کے صاحب
 دل سے اپنے گذر چکے ہیں
 سر پر میرے گذر چکے ہیں
 بھرنا جو دکھ تھا بھر چکے ہیں
 پہلے ہی سے صبر کر چکے ہیں
 ہم بوسہ سوال کر چکے ہیں
 بس ایک نگاہ پر چکے ہیں

ہے اگر شمشیر وہ سیدھی نگاہ کم نہیں برچھی سے بھی ترجھی نگاہ
 ٹیڑھی نظروں سے نہ ہم کو دیکھیے عاشقوں پر چاہیے سیدھی نگاہ
 دیکھنے والے قدِ بلا کے ہیں کیوں نہ ہم چشموں میں ہو اونچی نگاہ
 اُس کی آنکھوں میں سلائی نیل کی بد تری جانب پڑے جس کی نگاہ
 کچھ نہ پوچھو دل پہ کیا کچھ کر گئی نیم باز آنکھوں سے وہ ترجھی نگاہ
 اپنے ہم چشموں میں صاحب ایک سے
 آج تک اپنی نہیں جھپکی نگاہ

کھو چکا اپنی جاں تلک کوئی نہ پھرا آکے یاں تلک کوئی
 ایسے وعدہ خلاف کی یارب راہ دیکھے کہاں تلک کوئی
 ہے وفا یہ کہ ظلم سے شکوہ نہیں لایا زباں تلک کوئی
 کر چکا صدقے نام پر تیرے اپنے نام و نشان تلک کوئی
 لے گیا ایک نازنین مجھ سے صبر و تاب و تواں تلک کوئی

کس کس سے میں دل کو بچاؤں کئی بلائیں درپے ہیں
 غمزہ تیرا سحر و فسوں ہے آنکھیں ہیں جادو تیری
 شامِ غریباں، زلفِ پریشاں تو نے دکھائی ہے ہم کو
 مجنوں کر دیا دل ساعاقل کیا بات (ہے) اے گیسو تیری
 حسن میں تیرا آج نہیں ثانی کوئی سچ ہے لیکن
 جیسی تیری شکل ہے، ہوتی کاش کہ ویسی خو تیری
 میں تو ہوں ایک سادہ مسلمان کیوں نہ ٹھکے مجھ کو کافر
 غمزہ تیرا سحر و فسوں ہے آنکھیں ہیں جادو تیری

کون کرے پھر مجھ سے دعوا ہم چشتی کا کہہ تو بھلا
 چو کڑی بھولا دنگ ہوا دیکھ آنکھوں کو آہو تیری
 یاد میں تیرے قد کے سدایاں نالہ موزوں لب پر ہے
 درد کرے ہے شانہ دیکھے جس دن سے گیسو تیری
 باختہ ہوویں کیوں نہ بھلا پھر ہوش و حواس اپنے کافر
 سحر کرے ہے ہر دم مجھ پر نرگس یہ جادو تیری
 ولہ

رکھتی ہے لطف پیار میں جھڑکی تو یار کی کچھ کم نہیں ہے بوسہ سے گالی بھی پیار کی
 بکھرے ہیں بال مسکی ہے چولی تری تمام شب باشی آج رات کہاں گلغزار کی
 قول و قرار جھوٹے ہیں گو آپ کے دیئے تسکین ہے اسی میں دل بے قرار کی
 بوسہ جبین و عارض و گیسو کا لے لیا مانی نہ ایک اُس نے تو حجت ہزار کی
 صاحب سے کیا ملاپ کی ٹھہری ہے پھر کہیں
 تیاریاں جو آج ہیں ساتوں سنگار کی
 بوسہ کوئی لب کا مجھے امداد تو کیجیے ناشاد دلوں کو بھی کبھی شاد تو کیجیے
 گر بوسہ کے لائق نہیں تو دیجیے گالی کچھ لب کا تصدق مجھے امداد تو کیجیے
 صاحب سے عبث وعدہ خلائی پہ ہے تکرار
 بوسوں ہی کا اقرار تھا کیا یاد تو کیجیے
 کیوں بات پر رہتی نہیں اب بات تمھاری گروہ ہی زباں، وہ ہی دہاں اور وہ ہی لب ہے
 تھا عید کا وعدہ سو ہوئی وہ بھی یہ کہیے کیا آج بھی ہم سے نہیں ملنے کا سبب ہے

تیرے سودا کا فقط سر میں سراسر شور ہے رشتہ الفت جسے کہتے ہیں دل کی ڈور ہے
 خود بخود ریش جگر پر ہے نمک ریزی شوق واہ اے کان ملاحظت کیا ہی تیرا شور ہے
 خال زیر زلف سے ڈرتے رہو شام و سحر شب رو تیرہ روان ہے بال باندھا چور ہے

دل جب آتا ہے نہیں رہتی تمیز زشت و خوب سچ ہے قولِ اہلِ بینش عشقِ مفریٰ کور ہے
 خالی روئے یار نے غارت کیا کالائے دل
 دن دھاڑے لوٹتا ہے کیا ہی کالا چور ہے

صفائی پر بھی یہی خار خار باقی ہے کہ دل میں اُن کے ابھی تک غبار باقی ہے
 بڑھا نہ کشتی مئے کو ابھی سے اے ساقی کہ دل میں ابر کے کچھ کچھ غبار باقی ہے
 یہ آرزو ہے ترے آنے کی مجھے اے شوخ کہ جھوٹے وعدوں پہ بھی انتظار باقی ہے

دل محو خیال ہو گیا ہے دیکھو کیا حال ہو گیا ہے
 ہے شکرِ خدا کہ میرا کچھ کچھ اُس کو بھی خیال ہو گیا ہے
 فکروں سے ہوئی یہ ناتوانی مومن پہ وہاں ہو گیا ہے
 قیس و فرہاد و واثق آسا عشق اپنا مثال ہو گیا ہے
 کھچ اُس کو لیا کشش سے اپنی دل کو بھی کمال ہو گیا ہے
 کیوں ہونٹوں کا رنگ اڑ گیا کیا بوسہ کا خیال ہو گیا ہے
 کس بات پہ تیرے پھولے یہ دل کیا تجھ سے نہال ہو گیا ہے
 ساقی سامانِ مئے کشی ہو ماہِ شوال ہو گیا ہے
 بے تیرے حرام مئے نہیں کچھ خون اپنا حلال ہو گیا ہے
 گالی کھائی تو گال چومے کیا خوب مال ہو گیا ہے
 دام گیسوئے عنبریں مو دل کا جنجال ہو گیا ہے
 ہے چال قیامت اُس صنم کی برپا بھونچال ہو گیا ہے
 سمجھا نہ وہ ماہِ قدر دل کی کیا مہر کا کال ہو گیا ہے
 آنکھیں میچیں تو جلوہ دیکھا حیرت میں جمال ہو گیا ہے
 دینی ہے زکوٰۃ حسن تو دو بوسہ کا سوال ہو گیا ہے

کیوں آج ہو پُر عتاب جاناں مُنہ غصہ سے لال ہو گیا ہے
 گنجینہ حسن پا کے وہ شوخ کیا صاحب مال ہو گیا ہے
 رنگِ پان و حنا سے تیرے (ق) عالم بے حال ہو گیا ہے
 کوئی لوٹے ہے اپنے خوں میں کوئی پامال ہو گیا ہے
 معشوق ملا جو مجھ کو صاحب
 دل میرا بحال ہو گیا ہے

جب سے طبیعت اُس کی ہم سے بدل گئی ہے
 اپنی بھی طبع کچھ کچھ بارے سنبھل گئی ہے
 اس طرح سے بگڑنا عادت میں تھا نہ تیری
 کیا بات ہے جو خصلت تیری بدل گئی ہے
 باطن میں سرد مہری ظاہر میں جوش الفت
 ان گرمیوں سے تیری طبع اپنی جل گئی ہے
 اپنی بھی یہ طبیعت کچھ موم سے نہیں کم
 جس شعلہ رُو کو دیکھا اُس پر پگھل گئی ہے
 شفاف اور بلوریں ایسا ہے روئے جاناں
 جس دم نظر پڑی ہے اُس پر پھسل گئی ہے
 اُس بے وفا سے تجھ کو امید ہے وفا کی
 جرجیس عقل تیری شاید کہ چل گئی ہے

یہ خمہ جوناخ کی غزل پر تضمین ہے۔ دوستوں کو پسند آیا ہے۔ اس لیے یہاں نقل ہوا۔
 شکست تو بہ کا چنداں نہیں غم موسم گل میں رہی ہے میکشوں کو اِثقام موسم گل میں
 نہ کیوں ہوں شائق بادہ کشی ہم موسم گل میں ہمیں اے نخلبندِ باغ عالم موسم گل میں
 دیکھنا ساغر گل بادہ خواری کا اشارا ہے

عرق ہووے نمایاں خوشہ ہاے تاک سے جیسے عیاں بد مستیاں ہوں میکش بے باک سے جیسے
 چمکتا نور ہووے مہ کے جسم پاک سے جیسے نظر آتے ہیں جرم آفتاب افلاک سے جیسے
 شراب اُس کے تن نازک سے یوں صاف آشکارا ہے
 بگاڑا نیل سوسن کا مسی مالیدہ دنداں سے لگایا عشق کا سنبل کو کوڑا زلف پیچاں سے
 کیا نرگس کو دیوانہ نگاہ چشم فتّاں سے تو وہ گل ہے کہ گزرا باغ میں جس جس خیاباں سے
 تو آواز شکست رنگ سے گل نے پکارا ہے
 زہے سرگرمی الفت کمال عاشقی بل بے ہر اکت محبت دل میں لیلیٰ کے نہ ہو کیسے
 رہا چارانہ جب صحرائیں کچھ پانی کا پانے کے گیاد دشت کو رکھتا ہے مجنوں سبز اشکوں سے
 سمجھتا ہے کہ یہ جمّازہ لیلیٰ کا چارا ہے

اگر بچشم ارادت نظر کنی صاحب برای صدق عقیدت ہمین بس است دلیل
 فروغ داد جہان را دو نیر اعظم ز نور پاک کہ شد بخش آن بر آل خلیل
 یکی مسیح مطہر دگر محمد پاک ضیای دیدہ اسحاق و نور اسمعیل
 بوعده ہای مبارک کہ شد بہ ابراہیم ز بارگاہ علیٰ حضرت خدای جلیل
 شود شفیع یکی بہر آل اسمعیل رسد نجات ز دیگر بآل اسرائیل
 غرضکہ بہر نجات بنی ابراہیم ہمین دو نیر کونین مقبل اند و کفیل
 ز موسوی نبود مظلم جدا زین بحث کہ ہست موسیٰ و عیسیٰ ز یک گروہ و قبیل
 ظہور مہدی و عیسیٰ باختر (کذا) برین کہ گفتہ شدہ ہست راست راست دلیل
 رہ سلوک ہمین است طبق تنزیلات
 اگر بچشم عداوت نظر کند نہ بخیل

مولوی الہ داد حافظ شبراتی طالب

طالب تخلص¹، حافظ شبراتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ عربی، فارسی کے عالم و فاضل اور دونوں زبانوں (عربی فارسی) کے مشہور شاعر ہیں۔ چودہ سال کی عمر میں چچک کی بیماری کے سبب آنکھیں جاتی رہیں۔ قرآن پاک حفظ کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ کی مدد شامل حال تھی (حافظ قرآن ہوئے، پھر) علم حاصل کرنا شروع کیا۔ جس وقت آخری کتابوں کے پڑھنے کا وقت آیا تو آپ نے خواب میں اکثر اولیائے کرام کو دیکھا کہ (ان کی) تربیت فرماتے ہیں اور حافظ صاحب تمام کتابوں کو پڑھ رہے ہیں۔ اس خواب کی برکت سے نصیب ایسا جاگا کہ بہت کم وقت میں تحصیل علم سے فراغت پائی۔ اور دستار فضیلت ان کے سر پر بندھی۔ تمام درسی کتابیں از بر تھیں اور کبھی الف ب تک اپنے ہاتھ سے نہیں لکھی تھی ریاضی (حساب) کی شکلیں پوری وضاحت اور املا کی صحت کے ساتھ اپنی انگلیوں سے لکھ دیتے تھے۔ علاوہ اس برکت کہ ان کی توجہ سے ہوتی تھی کہ ہر طالب علم ان کا شاگرد ہوتا صاحب علم ہو جاتا اور شاعری کے میدان میں اپنے تمام معاصرین سے بازی لے گئے² ایک فارسی مثنوی ”جان و دل“ پوری فنکاری کے ساتھ لکھی جس کی ابتدا یہ ہے۔ شاعری میں مولوی قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔

مثنوی

اے بہ تعلیم و فنون سوزِ دل قبلہ جان و ادب آموزِ دل

-
- 1 مولوی الہ داد نام، حافظ شبراتی، عرفیت ہے۔ ولادت تقریباً 1205، 1790 میں ہوئی۔ رامپور کے مشاہیر عالم و فاضل اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ملاحسن فرنگی محلی آپ کے خاص اساتذہ میں ہیں۔
 - 2 بہت سے رؤسا اور عوام آپ کے حلقہ تلامذہ میں شامل تھے جن میں نواب احمد یار خاں افسر، صاحبزادہ شجاعت علی خاں شجاعت، نجف علی خاں، صاحبزادہ اسد علی خاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ایک دیوان قیمتی مضامین (اشعار) پر تیار کیا تھا۔ یہ اشعار ان کی یادگار ہیں¹ خواب میں سرور کائنات صلعم کی زیارت سے شرف ہوئے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بطور مثنوی دیوان میں لکھا ہے۔ پندرہ سال ہوئے کہ ملک بقا کا سفر کیا۔²

کیوں نہ ہو سرسبز اُن ہونٹوں سے پتا پان کا
جن کی لالی دیکھ کے دل خون ہے مَر جان ہے
رنگ یہ سونا سا گر دیکھے گا طالب آپ کا زر خریدہ پھر تو بندہ آپ کا ہو جائے گا

آنکھ میرے ہی مصاحب سے لڑائی صاحب میرے منہ سے بھی تمہیں شرم نہ آئی صاحب
دے کے بوسہ جو کرے چشم نمائی صاحب ہوگئی زہر میرے حق میں مٹھائی صاحب
بھائی مجنوں کو جو طالب کی پریشاں حالی دشت میں دیکھ کہا آئیے بھائی صاحب

دلہ

کھینچ کر ماتھے پہ تشقہ دیر مسکن کر دیا مجھ کو اس کافر نے اب خاصا برہمن کر دیا
تیرے اٹھنے سے جوانی پر لگا کر دل کو میں غم سے بوڑھا ہو گیا برباد جو بن کر دیا
چوم لوں آتا ہے دل میں تیری مشاطہ کے ہاتھ ایسی آرائش کری جو تجھ کو دولہن کر دیا
بتی پڑتے ہی چراغوں میں وہ یاں آنے کو ہے آج طالب دو گھڑی دن سے تو روشن کر دیا

1 آپ کا قلمی دیوان رضا لائبریری راجپور میں محفوظ ہے جو 410 صفحات پر مشتمل ہے اس میں ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے۔ یہ دو شعرا کے اور سن لیجیے۔

یہ ہجر کے صدمے وہ ترے وصل کے وعدے
جینے نہیں دیتے مجھے مرنے نہیں دیتے
کچھ خبط نہیں ہے مجھے دوسواں نہیں ہے
وحشت کا یہ باعث ہے کہ تو پاس نہیں ہے

(انتخاب یادگار، ص 209)

2 آپ کی وفات 29 شوال 1275 ھ یکم جون 1859 میں ہوئی۔

کبھی آنکھوں سے کبھی لخت جگر سے بر سے اپنی آنکھوں سے تو کچھ لعل و گہر سے بر سے
 اشک اٹا ہے مرا ابر سے کہہ دو کوئی آبر و چاہے تو ہٹ کر مرے گھر سے بر سے
 جی گیا زور گیا آب گیا یار گیا سینہ سے جسم سے اور دیدہ تر سے بر سے
 جس قدر ابر تو بر سے ہے نچوڑوں میں اگر اتنا پانی تو مرے دامن تر سے بر سے
 اس قدر ابر میں قطرات کہاں ہیں یہ تو کسی مشتاق کے ہیں دیدہ تر سے بر سے
 رات بھر نالے کئے ہم نے تو دن بھر روئے جس قدر شام سے گرجے تھے سحر سے بر سے
 اس کے آنے کا ہوا وقت بھلا ابر کو دیکھ خون دل کیوں نہ مرے دیدہ تر سے بر سے
 یہ تو کہتا نہیں میں مینہ نہ بر سے لیکن جب وہ آجائے تو پھر جتنا یہ بر سے بر سے
 اشک گلگوں نہیں یہ لخت جگر ہیں طالب

آج آنکھوں سے جو کچھ اپنی شرر سے بر سے

یا ادا یا ناز یا مہر و فا پھر کچھ تو ہو دل جہاں دیکھیے وہاں خوبی دلا پھر کچھ تو ہو
 رخصت بوسہ ہو یا اذن ہم آغوش مجھے وصل کی شب ہے حصول مدعا پھر کچھ تو ہو
 بوسہ دستِ حنائی کی اجازت ہو مجھے کشتہ رنگِ حنا کا خوں بہا پھر کچھ تو ہو
 شیشہ خالی ہے تو لا ڈیبا ہی تو ایون کی گرم ہے بزمِ حریفاں ساقیا پھر کچھ تو ہو
 اشتیاق وصل، صعب ہجر، طول انتظار نامہ جب تحریر کیجیے قاصدا پھر کچھ تو ہو

جو کیجیے نفرت تو خوب کیجیے جو چاہ کیجیے تو خوب کیجیے
 یہ نت کے جھگڑے نہیں مجھے خوش نباہ کیجیے تو خوب کیجیے
 جو دین و ایمان لئے تو کافر قرارِ صبر و خرد بھی تو لے
 بت ستمگر جو کشورِ دل تباہ کیجیے تو خوب کیجیے
 جو حق تقویٰ ادا نہ ہووے تو اپنا مذہب یہی ہے نا صح
 ہوس نہ رکھیے ذرا بھی دل میں گناہ کیجیے تو خوب کیجیے

دل خالی کسی وجہ وہ کرنے نہیں دیتے اک سانس بھی ٹھنڈی مجھے بھرنے نہیں دیتے
یہ ہجر کے صدمے وہ ترے وصل کے وعدے جینے نہیں دیتے مجھے مرنے نہیں دیتے

دھیان اُس نتھ کا سدا دل سے بہم رہتا ہے یعنی دن رات مرا ناک میں دم رہتا ہے

لے گئی ہے دل جو میرا وہ پری پیتاں دکھا مجھ کو اس کی اب تلک وہ سینہ زوری یاد ہے

نظر پڑے ہیں مجھے ایسے ایک جادو چاند کہ سورج ان پہ تصدق ہوا اور فدا ہو چاند
کہاں یہ چاند سا مکھڑا کہاں عزیزوں چاند کہیں بھی دیکھا ہے منہ بولتا کہو تو چاند
تم آپ چودھویں کے چاند ہو کہا مانو ہے آج تیسری شب جانے دو نہ دیکھو چاند

(ق)

جو شب غروب ہوا چاند ناز سے بولے بھلا میں جانوں جو اس وقت مجھ کو لا دو چاند
کہا میں دور کرو پردہ دونوں عارض سے کہ ایک چاند تو کیا چیز مجھ سے دو لو چاند
یہ چاندنی بھی کوئی چار دن کی ہے طالب جو تیرے گھر میں یہ رہنے لگے ہیں دو دو چاند

کسی کے وہ لب شیریں جو یاد آتے ہیں
تو اپنے ہونٹوں کو ہم کاٹ کاٹ کھاتے ہیں

میر ضیاء الدین عبرت

عبرت تخلص، میر ضیاء الدین¹، مثنوی پدماوت کے مصنف، قابل انسان اور میدان شاعری میں کامل تھے² مثنوی مذکور (پدماوت) کو مکمل نہیں کیا تھا کہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے پھر میر غلام علی عشرت بریلوی، مصنف ”قصہ سحر البیان“ نے باقی مثنوی کو لکھا۔ یہ غزل ان کی مشہور ہے۔³ ساٹھ سال کے قریب ہوئے کہ اس دنیا سے گزرے۔⁴

بیتاب کوئی شے نہیں سیما کی مانند
پر وہ بھی نہ ہوگا دل بیتاب کی مانند
میں مثل کتاں جیب کے دکھلاؤں تماشا
آئے جو سر بام تو مہتاب کی مانند

1 آپ کے والد کا نام علاء الدین تخلص تمکین تھا جو شاہجہان آباد دہلی کے ساکن تھے۔ قدرت اللہ شوق نے انھیں لکھنؤ کا ساکن لکھا ہے اور ان کی شعر گوئی اور طبی مہارت کی تعریف کی ہے (بحوالہ طبقات اشعرا ص 171 مرتبہ پروفیسر ثار احمد فاروقی)

2 آپ شاعری میں نواب محبت خاں محبت خلف حافظ رحمت خاں کے شاگرد رہے۔ ان کا فارسی دیوان جو 214 صفحات پر مشتمل ہے قلمی صورت میں رضا لاہوری میں محفوظ ہے۔

3 جارج فانتون نے غزل کے صرف دو شعر لکھے ہیں۔ یہاں مثنوی پدماوت سے حمد و نعت کے دو شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

حمد کشش سے دل یہاں جو آہ نکلی یہ شکل مدد بسم اللہ نکلی
ہے وقت پر دلیل اس کی یہ کثرت ہر ا کی سبہ ہے انگشت شہادت
نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زبان پر نام آیا قلم نے سر کو سجدہ میں جھکایا
محمد صلی اللہ علیہ وسلم سرور دنیا و دیں ہیں محمد رحمتہ العالمین ہیں

4 عبرت نے 1204ھ/1789 کو وفات پائی۔

میر غلام علی مشہدی عشرت

عشرت تخلص¹ میر غلام علی مشہدی بریلوی نو جوانی کے زمانہ میں، صاحب اقتدار ریاست رامپور میں نواب رامپور (نصر اللہ خاں بہادر) کے ملازمین کے حلقہ میں شامل ہو عزت و آبرو پائی۔ قصہ ”سحرالبیان“² جو فصاحت میں بے مثال ہے نظم کیا۔ بطور عقیدت مندی نواب صاحب کو پیش کیا اور مراد کے مطابق صلہ پایا۔ شاعری میں بڑی مہارت تھی، صاحب دیوان ہیں۔ ان کے ہم عصر آپ کی اچھی شعر گوئی پر آفرین کہتے ہیں ان لوگوں میں ایک شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی ہیں (جنہوں نے) ان کی اس غزل پر سیکڑوں بار مر حبا (واہ واہ) کیا۔³

کسی نے شام کے آنے کو کیا کہا عشرت
جو پھولی آپ کے منہ پر شفق ابھی سے ہے

شب وصال میں دل پر قلق ابھی سے ہے سحر ہے دور مرا رنگ فق ابھی سے ہے
میں لکھ چکا ہی نہیں حال دل کہ اُس کی طرف ہوائے شوق میں اُڑتا ورق ابھی سے ہے
ہنوز دفن ہوا ہی نہیں ترا بسمل کہ زلزلہ میں زمیں کا طبق ابھی سے ہے
چلا نہیں پہ ارادہ ہی سیر ماہ کا ہے یہ ناز کی کہ جبیں پر عرق ابھی سے ہے

گلشن سے جو وہ باقید دل جو نکل آئے ہر فاختہ کرتی ہوئی کوکو نکل آئے
کیا جذب محبت ہے کہ لیلیٰ کے کھلے فصد اور صاف رگ قیس سے لوہو نکل آئے
جب سامنے میرے وہ ملا غیر سے عشرت کچھ بس نہ چلا دیکھ کے آنسو نکل آئے

1 میر غلام علی عشرت ابن میر معظم علی شاعری میں مرزا علی لطف شاگرد مرزا محمد رفیع سودا کے شاگرد تھے۔

2 اس کے علاوہ ایک دیوان ”دیوان عشرت“، ”مثنوی گلزار عشق“ وغیرہ بھی ہیں یہ تینوں تصانیف رضا لاہوری میں محفوظ ہیں۔ دیوان 168 اوراق پر مشتمل ہے، جو 1915 میں رضا لاہوری میں داخل کیا گیا۔

3 میر غلام عشرت علی نے 29 جولائی 1821ء 1236ھ میں وفات پائی ”ہائے میر عشرت“ مادہ تاریخ وفات ہے۔

میر سعادت علی عیش

عیش تخلص،¹ میر سعادت علی خلف میر غلام علی عشرت۔ ایک زمانے تک سرکار ابد پاندار ریاست رامپور میں زندگی بسر کی۔ خوش فکر شاعر ہیں یہ غزل ان کی ہے۔

دکھلائے داغ دل نے گلستاں نئے نئے وحشت دکھا رہی ہے بیاباں نئے نئے
جور بُناں سے مجھ کو الہی بچائیو! پیدا ہوئے ہیں جان کے خواہاں نئے نئے
دیر و حرم میں کوئی نہیں میری راہ کا کافر نئے نئے ہیں مسلمان نئے نئے
کتنانہ اے جنوں ترے ہاتھوں سے تنگ ہوں لاؤں کہاں سے روز گریباں نئے نئے
تو شاعر قدیم ہے کیا قدر تیری عیش سامع نئے نئے ہیں غزل خواں نئے نئے

محمد زین العابدین خاں عابد

عابد تخلص، صاحبزادہ محمد زین العابدین خاں² محمد عبداللہ خاں ابن نواب غلام محمد خاں ابن نواب محمد فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں بانی ریاست رامپور کے پوتے تھے۔

- 1 عیش بانس بریلی کے ساکن تھے۔ نواب احمد علی خاں بہادر کے زمانے میں ریاست رامپور میں ملازم ہوئے اور نواب محمد سعید خاں کے زمانے میں محکمہ صدر کی نظارت پر مقرر رہے شاعری میں اپنے والد کے ہی شاگرد تھے۔ 1785 کو بریلی میں پیدا ہوئے اور 1873 کو رامپور میں وفات پائی۔
- 2 صاحبزادہ محمد زین العابدین خاں ابن صاحبزادہ اصغر علی خاں اصغر (وفات مارچ 1857) ابن محمد عبداللہ خاں ظریف (وفات اگست 1857) مذکور۔ عابد کی ولادت 1831 میں ہوئی۔ انتخاب یادگار میں ہے کہ ”بیالیس برس کا سن ہے تلمذ کسی سے نہیں بطور خود کہتے ہیں“ مگر بشارت علی فروغ نے وفیات مشاہیر اردو میں جو یا مراد آبادی کا شاگرد بتایا ہے۔ عابد نے دسمبر 1882 کو بے پور میں وفات پائی۔ امیر بینائی نے بطور نمونہ کلام سترہ شعر نقل کیے جن میں دو شعر یہ ہیں:

روز وصال وہ ہے تو کیا خوف رستخیز معراج سمجھے حشر کو دیوانہ آپ کا
منہ دکھانے میں تمہیں کون سی مجبوری تھی حال دل تھا نہ ہمارا کہ دکھایا نہ گیا

سید عباس علی عباس

عباس تخلص¹ سید عباس علی خلف سید نادر علی مراد آبادی۔ ایک زمانے تک منصفی شہر مراد آباد میں وکالت منصفی کے عہدے پر فائز رہے۔ اللہ کے ولی اور عاشق نبی کریم (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ مولود شریف پڑھنے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ جس کی وجہ تھی کہ خلوص دل سے پڑھتے تھے۔ حضرت فردوس مکان (نواب محمد یوسف علی خاں) کے زمانے میں عدالت رامپور میں رجسٹری اور محری کے عہدہ پر مامور تھے۔ محلہ بازار ملّا ظریف میں قیام تھا۔ ان کے وجود کی برکت سے رامپور میں میلاد خوانی خوب ہوتی تھی (اگست 1867) میں ہیضہ کی بیماری میں آخرت کا سفر اختیار کیا۔ ان کے جنازے میں چھوٹے بڑے (امیر غریب) بہت زیادہ لوگ تھے کہ شہر میں ان کی نماز جنازہ کے لیے جگہ نہ تھی۔ مشہور ہے کہ نواب احمد علی خاں مرحوم کے بعد کسی کے جنازے میں اتنی کثرت سے لوگ نہیں دیکھے گئے۔ فارسی میں اچھی قابلیت اور اچھی فکر رکھتے تھے۔ شاعری میں مولوی امین الدین امین اور راسخ مراد آبادی کے شاگرد تھے۔ اور مولوی کفایت علی کافی سے بھی شرف تلمذ تھا۔ کبھی کبھی نعت میں شعر کہتے تھے۔ یہ چند اشعار ان کے قصیدہ سے ہیں۔ اسی سال کا عرصہ ہوا کہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔²

سر بر آوردہ ایجاد ہے ذات نبوی ایسا عالم میں ہوا اور نہ ہوگا کوئی
محو حیرت ہو جمال آپ کا دیکھے جو شہا آپ کو خالق عالم نے وہ صورت بخشی
آپ کی ذات بلاریب ہے معدوم نظیر شان و شوکت ترے مانند کسی کو نہ ملی
یا نبی ہے ترا رتبہ ترے حق کو معلوم چاہیے جیسا جہاں میں نہیں واقف کوئی

1 امیر مینائی نے انتخاب یادگار میں لکھا ہے کہ ”پچپن برس کی عمر تھی کہ 1284ھ میں راہی ملک بقا ہوئے“ اس حساب سے آپ کی ولادت 1229 ہجری میں ہوئی ہوگی۔

2 سید عباس علی نے 19 جمادی الاول 1284ھ / اگست 1867 کو رامپور میں وفات پائی۔

شب معراج کھلے آپ کو صدہا اسرار جو کسی کو نہ ملی تم نے وہ دولت پائی
میں ترے وصف کے لائق نہیں رکھتا ہوں زباں مدعی مدح کا ہوں میں تو ہے بس بے ادبی
پھر یہ عباس کرے آپ کی کیا وصف و ثنا جبکہ قرآن میں ہے مدح جناب باری

ولہ

اے خالق ارض و سما دیدار احمد کا دکھا ہر دم ہے یہ تجھ سے دعا دیدار احمد کا دکھا
درگاہ میں تیرے یہی ہے التجا عباس کی دن رات ہر صبح و مسا دیدار احمد کا دکھا

احمد خاں آخون زادہ غفلت

غفلت تخلص، احمد خاں آخون زادہ¹ قوم کے افغان تھے۔ شاعری میں مولوی قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔ اگرچہ کچھ بھی پڑھے لکھے نہیں تھے مگر شاعری کے میدان میں استاد² تھے۔ ان کے معاصرین میں حافظ شبراتی، کرم خاں اور دوسرے مستند شاعر رہے۔ غفلت صاحب دیوان³ تھے اور ان کا کلام رامپور میں بہت ملتا ہے۔ تیس سال کے قریب ہوئے کہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔⁴

- 1 آخون زادہ احمد خاں غفلت ابن برہان الدین خاں کی ولادت 1195ھ 1780ء کو رامپور میں ہوئی۔
- 2 غلام ہمدانی مصحفی نے اپنے تذکرہ ”ریاض الفصحا“ میں ان کی شعر گوئی کی تعریف کی ہے۔ شبیر علی خاں شکیب نے ”رامپور کا دبستان شاعری“ میں آپ کے سترہ شاگردوں کے نام لکھے ہیں۔
- 3 آپ کا قلمی دیوان رضا لاہوری رامپور میں محفوظ ہے جو 310 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ نواب احمد علی خاں رند کی فرمائش پر ایک قصہ ”فسانہ رام و سینا ظفر کام“ کے نام سے 1825ء میں اردو نثر میں لکھا تھا اس کا بھی قلمی نسخہ رضا لاہوری رامپور میں محفوظ ہے۔
- 4 غفلت نے یکم ذی الحجہ 1259ھ 23 دسمبر 1842ء کو رامپور میں وفات پائی۔

ق

پہونچا سوادِ نجد سے کوئی جو اس طرف
میں نے کہا قیس کے کیا کیا نشاں ملے
بولا وہ یہ کہ لپٹے ہوئے برگِ بید سے
جوں تارِ عنکبوت کئی استخواں ملے

قطعہ

سکندر آیا جہاں ناپتا جو تالپِ گور
صدا وہاں پہ یہ نکلی دہانِ تربت سے
بس اب نہ کیجیے گامِ رسن سے پیمائش
یہاں کی ہوگی مساحتِ جریبِ قامت سے
دلہ

سر میں نشانِ سجدہ سجدہ میں سر نہ پایا
کچھ ہم نے بندگی کا واللہ اثر نہ پایا
اے آفتابِ محشر کیا خاک تھی حرارت
کچھ خشک میکھوں کا دامن تر نہ پایا
اے دیوانے مت کہہ بن میں کالی گھٹا جو چھائی ہے
مجنوں کے غم میں لیلِ بال بکھیرے آئی ہے
کیا ہی نزاکتِ تنغِ بتاں رکھتی ہے اللہ اکبر
بسم اللہ بسم اللہ کہہ کر حلقِ تلک پہنچائی ہے

مولوی غیاث الدین غیاث

غیاث¹ تخلص، مولوی غیاث الدین² ساکن رامپور، فاضل نبیل، بے مثال عالم سخن کی بنیاد رکھنے والے، نئے اور پرانے مضامین میں تخلیق، نکتوں اور نازک باتوں کو پرکھنے والے، حقائق و معارف کو روشن کرنے والے، بلند پایہ شاعر، بے بدل نثر نگار، ارباب فضل و کمال کے سردار، علم نجوم کو بلندی اور ترقی پر پہنچانے والے، عضادۂ اصطراب کی صاف فکر والے، لغات کی مشکل گھٹیوں کو سلجھانے والے، مجمل اشیا کی کیفیتوں کی تفسیر کرنے والے، صاحبان علوم عقلی کے سرتاج اور اصحاب علوم نقلی کے خاتم، حقیقت میں اس یکتا زمانہ شخصیت کی تمام اہل جہان اس کی استادی کا حق ہے۔ اور اس کے احسان کا طوق (بار) تمام ہندوستان کے لوگوں کی گردن میں ہے۔ علوم و فنون کے کیسے کیسے تحفے وہ عالم قدس (باری تعالیٰ کی درگاہ) سے لے کر آیا اور انھیں اس نے دنیا والوں کے لیے وقف کر دیا اور کیسے کیسے (قیمتی) ہدیے اس نے

1 آپ کے اکثر سوانح نگاروں نے آپ کا تخلص ”عزت“ لکھا ہے امیر مینائی، نے بھی انتخاب یادگار میں آپ کا تخلص ”عزت“ ہی تحریر کیا ہے۔

2 آپ کے والد کا نام مولوی شیخ جلال الدین جلال ابن مولوی شرف الدین (متوفی 1222ھ 1807) تھا۔ مولوی غیاث الدین عزت صاحب علم و فضل اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ شعر گوئی میں مولوی غلام جیلانی رفعت سے تلمذ تھا۔ درویشانہ مزاج رکھتے تھے۔ کالملاں رامپور میں لکھا ہے کہ ”ایسے قانع اور متوکل تھے جس کی مثال ملنا مشکل ہے“ (ص 90) امیر مینائی نے آپ کے کچھ اردو فارسی شعر نموناً ”انتخاب یادگار“ میں درج کیے ہیں۔ ایک فارسی اور ایک اردو شعر یہاں بھی نقل ہے۔

برق در سینہ من می جہد آن دم عزت یاد آید چو علم کردن شمشیر کے اتنی بے مہری تو اے ماہ جہیں خوب نہیں ہم سے ہر بات میں یہ تیری نہیں خوب نہیں آپ نے انیس بیس کے قریب قابل قدر تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں جن کے نام یہاں درج کرنا طوالت کا باعث ہے۔ آپ کا ایک دیوان بھی ”دیوان عزت“ کے نام سے مرتب تھا۔ جواب ناپید ہے۔ ”غیاث اللغات“ نے خاصی شہرت حاصل کی۔ آپ نے 68 برس کی عمر میں 22 ماہ ذی الحجہ 1268ھ 1851ء کو وفات پائی۔

مقدس محفل الہی سے حاصل کر کے اہل دنیا کے لیے بطور تحفہ پیش کر دیے ہیں۔ اپنی تالیفات سے اس نے ایک دسترخوان اس طرح بچھا دیا ہے کہ ہر چھوٹا بڑا اس سے لقمہ اٹھا کر سیر ہوتا ہے اور اپنی تصانیف کے ذریعہ احسان و کرم کی ایسی بزمِ ناولوش اس نے آراستہ کی ہے کہ ہر خاص و عام (بلا امتیاز و تفریق مراتب) اس سے بہرہ مند اور مستفید ہیں۔ ان تصنیفات و تالیفات کا ایک ایسا موجیں مارتا سمندر انھوں نے جمع کر دیا ہے جو صرف آسمان کے (وسیع) صندوق میں ہی سما سکتا ہے اور ان کی غزلیات و قصائد اس درجہ کے ہیں کہ سینہ و دل کی تختی پر لکھے جاسکتے ہیں۔ ان میں جو کچھ ان کے قلم کی زبان سے بیان ہوئی ہیں (وہ) صفحات پر منتقل ہیں۔ شرح قصائد بدر چاچ، و شرح سکندر نامہ، شرح گلستان و بوستان، شرح مثنوی غنیمت، شرح گل گشتی، شرح قصائد عرفی غیاث اللغات، دیوان غیاثی، انشائے غیاثی، طب غیاثی، صنم نامہ، تصحیح الاغلاط، اور لوا مع العلوم، جو تمام علوم و فنون معقول و منقول کے رسالوں پر مشتمل ہیں۔ انصاف کی بات یہی ہے کہ مولانا غیاث الدین متقدمین اور متاخرین کے لیے رشک کا سبب ہیں۔

حکیم محمد عطاء اللہ غنمین

غنمین تخلص، حکیم محمد عطاء اللہ¹ برادر حکیم غلام حسین آزاد، بہت پڑھے لکھے آدمی تھے۔ ایک دیوان ترتیب دیا (مگر) ملتا نہیں ہے۔ یہ اشعار ان کے ہیں۔ ساٹھ سال کے قریب ہوئے کہ اس جہان سے گزرے²

1 آپ کے والد کا نام حکیم غلام رسول کشمیری ہے جو محمد حسن فانی کے پوتے تھے۔ محمد حسن فانی ملا محمد طاہر غنی کاشمیری کے استاد اور فارسی کے قادر الکلام شاعر ہوئے ہیں۔ جو شیخ محبت اللہ آبادی کے مرید تھے۔ غنمین نے پہلے انتظار تخلص اختیار کیا تھا بعد میں غنمین اپنایا۔ پروفیسر ثار احمد فاروقی نے ”مقاصد العارفین“ میں غنمین کے والد حکیم غلام رسول کے ذکر میں لکھا ہے: ”یہیں ان (غلام رسول) کے بیٹے عطاء اللہ پیدا ہوئے۔ دوسرے بیٹے حکیم غلام حسین آزاد تھے۔ دونوں بھائی اردو فارسی کے اچھے شاعر تھے“ (مقاصد العارفین ص 31 حاشیہ) غنمین کا دیوان ”دیوان غنمین“ کے نام سے رضا لاہوری میں محفوظ ہے جو امر وہہ کے ایک کاتب کفایت علی موزوں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ غنمین شاعری میں شاہ قدرت اللہ بلخ کے شاگرد تھے۔

2 غنمین نے تقریباً 1230ھ 1815 میں وفات پائی۔

آ جاوے جو وہ غیرت گلزار چمن میں آ جاوے خزاں بس وہیں یکبار چمن میں
 گل غنچہ و گل کھول کے اوراق گلستاں کرتے تھے اسی شعر کی تکرار چمن میں
 عارض ترے گل، سرو ہے قد، چشم ہے زرگس کیوں جاوے تو جاوے تری پیزار چمن میں
 سنبل ہو سیہ مست پہن کاسنی پوشاک کہتے تھے مری سچ ہے دھواں دھار چمن میں
 آبادی میں اپنا تو غمیں جی نہیں لگتا بلبل کی طرح کیجیے گھر بار چمن میں

ولہ

طاقت نہ ہو تو نالہ جانکاہ کیا کرے جو سانس بھی نہ لے سکے وہ آہ کیا کرے
 نالہ کا مرے دل پہ نہیں اس کے کچھ اثر پتھر کے دل میں کوئی بھلا راہ کیا کرے

محمد حبیب اللہ خاں فرحت

فرحت تخلص، محمد حبیب اللہ خاں صاحبزادہ خلف صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خاں خلف
 نواب محمد نصر اللہ خاں، پستہ قد (ٹھلے) خوش وضع، ہنس مکھ، فیاض اور ملنسار تھے۔ اللہ کے حکم
 سے اپنے بڑے بیٹے کے ہاتھ سے اپنے (ہی) چاقو سے ہلاک ہوئے۔ اردو شعر کہتے تھے۔
 شیخ محمد سعید النبی (شہرت) جو رامپور میں سرہندیوں کے قبیلہ سے تھے ان سے اصلاح لی۔ ایک
 مختصر سادہ دیوان ترتیب دیا تھا جو ایک دوست لکھنؤ لے گیا۔ یہ اشعار ان کے یادگار ہیں۔ چالیس
 سال ہوئے کہ وفات پائی۔¹

مطلع دیوان

آلہ ہے الہی مرے وصفوں کے رقم کا کیوں رتبہ دو بالہ نہ قلم سے ہو قلم کا

1 فرحت کی وفات 10 جمادی الآخر 1253ھ ستمبر 1837ء، 34 سال کی عمر میں ہوئی۔

میری جانب سے کسی شخص نے ہیں کان بھرے روز غصے میں جو رہتے ہو مری جان بھرے
 کہو گل بازی کا ہے کس سے ارادہ گل رو پھرتے ہو باغ میں پھولوں سے جو دامن بھرے
 ایک چھینے دوسرے سے گر بچے چار مہ پاروں سے دل کیونکر بچے
 ولہ

غم پہ غم روز تو دیتا ہے نیا کھانے کو آگ لگ جائیو اے دل ترے لگ جانے کو

ہے سب حسینوں سے اس گل کا بانگ کچھ اور
 ادا کا ڈھنگ نیا ناز کا چلن کچھ اور
 تو ہے حسین مگر دلبری نہیں آتی
 ہے دل کے لینے کا اے میری جان فن کچھ اور

وہاں تو نے صبا زلف گرہ گیر ہلائی
 یہاں جوش جنوں نے مری زنجیر ہلائی

لوٹتے ہیں زبان دے دے دے کے
 قول اے مہربان دے دے دے کے
 چکنی باتوں سے مدعا یہ ہے
 دل کو لیتے ہو پان دے دے کے
 میری عادت بگاڑ دی بے طور
 منہ میں میرے زبان دے دے دے کے

جو کہ فریاد سے رہتا تھا نہ دم بھر خاموش آج دیکھو ہے پڑا بستر غم پر خاموش
 چشم آہو دکھا کے اے فرحت مجھے وحشی بنا دیا کس نے

مولوی عبدالقادر قادر

قادر تخلص، مولوی عبدالقادر جو چیف صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ عالم و فاضل تھے اور انگریزی سرکار میں عرصہ تک صدر الصدور کے عہدہ پر ملازم رہے۔ چیف اس وجہ سے مشہور ہیں کہ صدر الصدوری کے عہدہ کو شروع میں چیف صدر امین کہتے تھے۔ چیف انگریزی زبان میں اعلیٰ کو کہتے ہیں۔ یہ چند شعرا ان کے ہیں۔ چالیس سال سے زیادہ ہوئے کہ اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

اگرچہ عشق میں آفت بھی اور بلا بھی ہے
مزا برا بھی نہیں شغل کچھ بھلا بھی ہے
یہ کون بات صنم ہم سے ہر گھڑی روٹھو
کسی کا دل کبھی پانو تلے ملا بھی ہے
واین غزل مشہور از اوست: اور ان کی یہ غزل مشہور ہے:

ملاقات اس لئے تجھ سے بت بے پیر کم کردی
کہ تو نے غیر کی خاطر مری توقیر کم کردی

محمد قیام الدین قائم چاند پوری

قائم تخلص، شیخ محمد قیام الدین چاند پوری¹ شاگرد مرزا محمد رفیع سودا نو جوانی کے عالم میں ہی نواب محمد یار خاں خلع نواب علی محمد خاں بانی ریاست رامپور کے حلقہ مصاحبین میں شامل ہوئے۔ صاحب علم اور فن شاعری میں یکتا زمانہ تھے اردو شعرا کا تذکرہ پہلی بار انھوں نے لکھا ہے۔² یہ چند اشعار بطور یادگار لکھے جاتے ہیں۔

غیر سے ملنا تمہارا سن کے گو ہم چپ رہے
پر سنا ہوگا کہ تم کو اک جہاں نے کیا کہا
کس کی نگاہ کرم چمن پر پڑی نسیم شبنم سے برگ گل لب تبخالہ جوش ہے

ہومری شکل سے اس طرح جو بیزار بہت تم سلامت رہو بندہ کے خریدار بہت

1 شیخ قیام الدین محمد قائم ولد محمد ہاشم ساکن چاند پور، اردو شاعری کے اولین معماروں میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ ان کے بارے میں مختصراً بھی کچھ لکھنا اس حاشیہ کی عبارت میں ممکن نہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت میں خاصہ اختلاف ہے۔ بشارت فروغ صاحب نے ”وفیات مشاہیر اردو“ میں 1723 لکھی ہے۔ قائم چاند پوری کی وفات 1208ھ 1794 کو رامپور میں ہوئی۔

2 یہ دعویٰ از روئے تحقیق غلط ہے کیونکہ ان سے پہلے شعراے اردو کے کئی تذکرے لکھے جا چکے تھے۔ اس شمار میں قائم کے تذکرہ ”محزن نکات“ 1168ھ کا پانچواں نمبر ہے۔ اس بارے میں احقر تمام محققین کی رائے کو چھوڑ کر صرف پروفیسر محمد انصار اللہ صاحب کا بیان نقل کرتا ہے: ”شعراے اردو کا تذکرہ لکھنے کے معاملے میں اولیت کا دعویٰ کئی لوگوں نے کیا ہے لیکن جو تذکرے تا حال دستیاب ہو سکے ان میں سے دکن میں خولجہ خاں حمید کے ”گلشن گفتار“ اور دہلی میں سید فتح علی خاں گردیزی کے ”گلشن راز عرف تذکرہ بے دل ہندی“ کو اولیت حاصل ہے۔ (جامع التذکرہ ص 6 مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)

نہ جم رہا زمیں پہ نہ وہ جام رہ گیا مردوں کا آسمان کے تلے نام رہ گیا
قسمت کا پھیر دیکھو کہ ٹوٹی کہاں کمند دو چار ہات جبکہ لب بام رہ گیا

رباعی

ملنا خواباں کا ہم سے کب کا چھوٹا رہنا گھر گھر کا روز و شب کا چھوٹا
ایک خوشی رہی ہے دیکھنے کی قایم افسوس کہ یہ ہم سے کب کا چھوٹا

صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خاں کفایت

کفایت¹ تخلص، صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خاں خلف نواب محمد نصر اللہ خاں نائب
ریاست رامپور۔ نواب احمد علی خاں رئیس رامپور کے بچپن (کے زمانہ میں) میں جودو سنا اور عیش و عشرت
میں بے مثال تھے۔ غزل کے یہ چند اشعار ان کی یادگار ہیں۔ زیادہ تر ان کی چہار بیتیں پورے
ہندوستان میں عوام و خواص کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں۔ ستر سال کے قریب ہوئے کہ موت کی
دعوت دینے والے (ملک الموت) سے لبیک کہا۔

غم فراق میں ہم بے قرار بیٹھے ہیں شکستہ دل ترے کوچے میں یار بیٹھے ہیں
کسے امید ہے دنیا میں زندگانی کی فنا کی کشتی میں لاکھوں سوار بیٹھے ہیں

1 انتخاب یادگار میں امیر بینائی نے ان کی صورت و سیرت دونوں کی تعریف کی ہے۔ 1202ھ 1787
میں آپ کی ولادت ہوئی اور چھبیس سال کی عمر میں ہی 25 صفر 1228ھ 27 فروری 1813 کو وفات
پائی۔ عہد شاہ خاں عہد نے تاریخ وفات کہی:

چو زیب صدر ریاست کفایت اللہ خاں وداع کرد جہاں دل بجوش فکرت رفت
بیک ہزار و دو صد سال ہجر پست و ہشت بہ بست و پنجم ماہ صفر بخت رفت
آپ کی ایک مثنوی بعنوان ”دل سوز“ رضا لاہوری کے شعبہ مخطوطات میں محفوظ ہے۔

ولہ

چاہے جفا و جور کرے یا وفا کرے راضی ہوں اس میں جو کہ مرا دلربا کرے
نے مہربانی ہے نہ دلاسا نہ دلبری کس آسرے پہ تم پہ کوئی جاں فدا کرے
جس نے ہمارے یار کو ہم سے جدا کیا وہ بھی مراد اپنی نہ پاوے خدا کرے

ولہ

دیوانہ کیا بزم میں شب آ کے کسی نے بے ہوش کیا چہرہ کو دکھلا کے کسی نے
جب دست درازی کا خیال آیا جو دل میں جھٹکایا میرے ہاتھ کو شرما کے کسی نے
میں نے جو کہا میں ہوں ترا عاشق شیدا پھر جھانکا نہ دروازہ کو دُہرا کے کسی نے
میں نے اسی ارمان میں دی جان کفایت دیں گالیاں سو سو مجھے جھنجھلا کے کسی نے

کریم اللہ خاں کرم

کرم تخلص، (اصلی نام کریم اللہ خاں عرف کرم خاں ہے) کرم¹ خاں ساکن رامپور،
مولوی قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔ کوئی زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ مگر اردو میں اچھا شعر
کہتے تھے۔ بیس سال ہوئے کہ اس دنیا سے گزرے۔ یہ چند شعراں کے دیوان سے نقل ہیں۔

1 شبیر علی خاں شکیب نے کریم اللہ کرم خاں کو ”دبستانِ رامپور کا نمائندہ شاعر“ لکھا ہے اور ان کی
شاعرانہ فتوحات کے بہت سے واقعات بھی لکھے ہیں۔ ان کا قلمی دیوان رضا لاہوری میں محفوظ ہے
جو 294 صفحات پر مشتمل ہے۔ آپ شاعری میں قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔ آپ کی ولادت
1778 میں اور وفات 14 مارچ 1838ء، 7 ذی الحجہ 1253 کو رامپور میں ہوئی۔ آخون زادہ احمد خاں
غفلت نے قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے جس میں انھیں ”خسرو ثانی“ کہا گیا ہے یہ آٹھ اشعار پر مشتمل
قطعہ امیر بینائی نے انتخاب یادگار میں نقل کیا ہے۔ اس کا آخری تاریخی شعر یہ ہے۔
طلب اس ”خسرو ثانی“ نے کیا سال وفات آئی ہاتھ کی یہ آواز کہ ”خوش فکر مویا“

قطعہ

ہر ایک شیفۃ ملنے کی آرزو میں سدا فراق یار میں تکتا ہے سوئے در بیٹھا
گذرتی کایا ہوگی دل پر مرے یہ سوچو تو کہ صاف ملنے کی امید قطع کر بیٹھا

ولہ

نہ بھولیں گے کرم گرمی کے موسم کی ہم آغوشی
وہ کپڑے تر پسینے میں بدن سیلا ہوا اُس کا

نیاز و ناز کے عالم میں شب اُن کے کڑے بولے
کہ پانو پڑ کے چھوٹو گے اگر تم یاں کڑے بولے
لگے پھلے بھی ہم کو اب تو چہل بٹی بتانے آپ
یہ ہنسی خوب سی ہنس لی کڑے بھی کچھ کڑے بولے
کٹورا وار کرتھ پر سے گردیوے وہ شربت کا
بولاتی شاہ کی تربت پہ شربت کے گھڑے بولے

رباعی

بیار ہیں ہم تمہارے جی میں کیا ہے تاخیر ہماری دل دہی میں کیا ہے
آجاو شتاب ہے گھڑے میں گھڑیال اے بندہ نواز آدمی میں کیا ہے

لاچار

لاچار¹ تخلص، ان کا نام معلوم نہیں۔ راپور کے رہنے والے تھے۔ مشاعرے میں آتے
اور اردو شعر کہتے تھے۔ یہ غزل ان کی یادگار ہے۔

1 لاچار کا پتالگانے میں اب تک راقم الحروف بھی لاچار رہا۔

غزل

بنی ہے جی پہ الٹے دم ترا بیمار بھرتا ہے
کہ اپنی چشم تر کا چشم بدو راب یہ عالم ہے
دکھا دے کبک تلخ ننگہ کو جنبش ابرو
کبھی داغ جگر پر زلف کا فرمٹک گھستی ہے
لگا کر سنگ فرقت دل پہ وہ بے ترس کہتا ہے
اگر برقی نگاہ شعلہ رویاں کا نہیں قائل
یہ دل یاد غزل چشم جاناں میں تڑپتا ہے
نہ کس صورت بھلا اپنے تئیں اختر شماری ہو
فراق یار میں اس درجہ دق ہوں زندگانی سے

پراس سختی میں بھی تیرا ہی دم اے یار بھرتا ہے
کہ پانی جس کے آگے ابر گوہر بار بھرتا ہے
بھلا کیوں خوں میں اے قاتل عبث تلوار بھرتا ہے
کبھی خط، زخم دل میں مرہم زنگار بھرتا ہے
کہ شیشہ ٹوٹے دم اس طرح جھنکار بھرتا ہے
دل بیتاب پھر کیوں آہ آتش بار بھرتا ہے
کہ آہو چو کڑی جس طرح سوسو بار بھرتا ہے
کہ ہر شب مانگ میں وہ مہر شہوار بھرتا ہے
کہ جوں بیمار دق، دن موت کے لاچار بھرتا ہے

قاضی نور الحق منعم

منعم¹ تخلص، ریاست رامپور کے ایک قصبے ”کھاتہ“ کے رہنے والے تھے۔ لاجواب عالم تھے۔ فارسی زبان میں شعر کہتے تھے۔ ایک بار دارالحکومت انگلشیہ کلکتہ گئے اور سر جان شور صاحب گورنر جنرل کی شان میں قصیدہ لکھ کر پیش کیا مگر گورنر کی طرف سے خاطر خواہ صلہ نہیں پایا۔ دو سالہ جو بطور خلعت ملا تھا اس کے لیے (ہجویہ) یہ شعر کہا۔

1 آپ کا نام سید نور الحق اور عرف قاضی منعم ولدیت سید معصوم ہے۔ ولادت 1729 کو ہوئی۔ امیر بینائی نے ”نثر عشق“ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انھوں نے کلام پاک کی ایک تفسیر لکھ کر نواب محمد فیض اللہ خاں کو پیش کی تھی۔ اس کے علاوہ کئی دیوان بھی آپ کے موجود تھے۔ بشارت فروغ صاحب نے ”وفیات مشاہیر اردو“ میں آپ کی دو تصانیف ”مثنوی ظفر نامہ“ اور ”مثنوی سرور جاں نواز“ کے نام لکھے ہیں۔ آپ نے 63 سال کی عمر میں 1223ھ 1808 میں وفات پائی۔ صاحب نے ان کا نمونہ کلام نہیں لکھا۔ امیر بینائی نے ان کا بہت سا کلام نمونہ لکھا ہے دو ایک شعر ملاحظہ ہوں۔

ظلمت کدہ بود دل و سینہ منعم افروختہ مہر تو درین خانہ چراغ
خراب ناز و پا مال ادا ہامی کند مارا خدا رسوا کند دل را کہ رسوای کند مارا

بخشید بہ من جج ہنرمند دو شالہ دو ہزار پیوند
(یعنی ہنرمند جج نے مجھے ایسا دو شالہ دیا جو پھٹا ہوا تھا جس میں ہزار پیوند ہیں)

در تعریف لیڈی صاحبہ این شعر گفتہ ہر چند کہ پیش اہل ہند ناز بہا است باوشان پسند آمد۔
لیڈی صاحبہ کی تعریف میں ایک شعر ان کا کہا ہوا ہے جو کہ ہندوستانیوں کی نظر میں برا ہے مگر ان کو پسند آیا۔

دو پستانش کہ ہر یک چون انار است گلہ بر سر فرنگی زادکان اند
(یعنی ان کے دونوں دودھ سرخ انار کی طرح ہیں اور اس کی چوچی فرنگی بچوں کے لیے ہے)
آخر کار از آنجا شکستہ خاطر شد ہجومی گفتہ، بہ وطن خود باز آمد۔ این شعر از آن ہجو است:
آخر اس جگہ سے رنجیدہ ہو کر ہجو کہی اور اپنے وطن لوٹ آئے۔ یہ شعر اس ہجو کا ہے۔
آب شور و زمین سراسر شور فرمانروای کلکتہ
زیادہ از ہفتاد سال است کہ از این جہان در گذشت۔ ستر سال سے زیادہ ہوئے کہ اس جہان سے گزرے۔

محنت

محنت¹ تخلص، ان کا نام یاد نہیں ہے۔ اردو میں شعر کہتے تھے اور مشاعرے میں آتے تھے۔ یہ ان کی غزل ہے۔

قبر پر اُس کی چڑھا اپنے تو اب ہار کے پھول
آج اے رشک چمن ہیں ترے بیمار کے پھول
آ گیا غمش میں وہ گلہائے نزاکت کے سبب
سخت محبوب ہوئے ہم تو اُسے مار کے پھول

1 باوجود بڑی محنت کے محنت ابھی تک ہاتھ نہیں آئے۔

میں کسی چشم کا کشتہ ہوں مری تربت پر
 ایک دو کافی ہیں بس نرگس بیمار کے پھول
 زخم کیا گل سے کھلے ہیں ترے زخمی کے واہ
 پھل تو ہوتا ہے یہ دیکھے کوئی تلوار کے پھول
 چار دن اور بھی گلشن کے گلوں کی ہے بہار
 دیکھ بلبل نہ بہت چچھے تو مار کے پھول
 کیا ہی گلزار کریں ہاتھوں کو گل کھا کھا کر
 ہاتھ پڑ جائیں کہیں گر سپر یار کے پھول
 باغبان نے تو ترے باغ کے توڑے نہیں گل
 ہیں یہ دامن میں مرے دیدہ خونبار کے پھول
 ہم تو بس مڑ ہی گئے ہائے تڑپ کر محنت
 دیکھ کر کانوں میں اُس شوخ طرحدار کے پھول

مہدی علی خاں مہدی

مہدی تخلص، صاحبزادہ مہدی علی خاں¹ خلف صاحبزادہ محمد قاسم علی خاں خلف نواب محمد
 فیض اللہ خاں رئیس رامپور، نیک اور اچھے رکھ رکھاؤ کے شخص تھے۔ کبھی کبھی شعر کہتے تھے۔ یہ
 ان کا شعر ہے

1 مہدی علی خاں شاعری میں علی بخش بیمار کے شاگرد تھے اور بیمار غلام ہمدانی مصحفی امرہوی کے زمانہ تالیف
 (1290ھ) ”انتخاب یادگار“ میں امیر مینائی نے لکھا کہ ”پینٹھ برس کی عمر“ ہے اس حساب سے
 1225ھ کے آس پاس ولادت ہوئی ہوگی۔ امیر مینائی نے ”انتخاب یادگار“ میں مندرجہ ذیل شعر دیا ہے۔
 جان دینارہ الفت میں تو سہل اے دل ہے پر رضا مندی دل دار بہت مشکل ہے

ثابت بھی کرے ہے کوئی تقصیر ہماری
یا یوں ہی کرے قتل کی تدبیر ہمارے

حکیم غلام محمد خاں ماہر

ماہر تخلص، حکیم غلام محمد خاں¹ آپ آخون زادہ حکیم احمد خاں² کے بھائی تھے۔ عربی فارسی علم میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ یہ چند اشعار ان کے ہیں۔ ساٹھ³ سال سے زیادہ ہوئے کہ اس جہان سے گزرے۔

شع تک کا ہے کو ہوتا گذر پروانہ
ہے وبالِ سر پروانہ پر پروانہ

-
- 1 آپ کے والد کا نام حکیم ناصر خاں ابن نجابت خاں افغان سالارزی ہے۔
 - 2 حکیم احمد اپنے وقت کے قادر الکلام استاد شاعر اور حاذق طبیب تھے۔ فاخر تخلص تھا۔ تذکرہ کالملاں رامپور میں حافظ احمد علی شوق نے لکھا ہے کہ: ”بہت سے علما ان کے شاگرد تھے۔ علاج بہت اچھا تھا۔ پڑھاتے بھی خوب تھے۔ کتب طبیبہ گویا حفظ تھیں“ (ص 8) فاخر نے 12 اپریل 1873 میں وفات پائی۔ ”دیوان فاخر“، ”طب سعیدی“، ”مثنوی فاخر“، ”نوطر ز حکمت“ وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔
 - 3 ماہر بھی اپنے وقت کے اچھے شاعر تھے۔ شاعری میں مولوی قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔ حافظ احمد علی شوق نے لکھا ہے کہ ”ذی علم“ ذہین اور شاعر تھے“ 1225ھ 1810 میں 25 سال کی عمر میں لا ولد وفات پائی۔ امیر مینائی نے ایک شعر کا اضافہ کیا ہے جو یہ ہے۔
پاؤں کی آہٹ مری پہچان کر سو رہے شب تم دوپٹا تان کر
اس کے علاوہ دو شعر احمد علی شوق نے بھی ”تذکرہ کالملاں رامپور“ میں لکھے ہیں۔

نواب محمد یوسف علی خاں ناظم

ناظم تخلص، فردوس مکان نواب محمد یوسف علی¹ خان والی ریاست رامپور، بڑے امیر صاحب تدبیر، صاحب علم و حلم، فیاضی اور دینے دلانے میں کوئی ان کی برابر نہیں۔ اپنی ریاست (رامپور) کے کاموں کی اصلاح میں ایسے مشہور ہیں کہ تھوڑے عرصہ میں چاروں طرف سے اہل کمال گروہ کے گروہ حاضر ہوئے اور مراد کا دامن بھرا۔ خاص طور پر سلطنت اودھ کے خاتمہ پر وہاں کے بہت سے منتخب (نمائندہ) لوگ یہاں آئے اور (اس) ہمیشہ قائم رہنے والی ریاست (رامپور) کو دوسری نعمت جانا۔ اس رئیس کے زمانہ حکومت میں اس طرح عدل و انصاف، ترقی و خوش حالی ہوئی، اس ملک اور یہاں کی پبلک نے ایسا خوبصورت نظام پایا کہ ظلم و ستم کا نام لمبے عرصہ تک کے لیے غائب ہو گیا اور ظلم و زیادتی کا خوف عوام کے دل سے ختم ہو گیا۔

خطرناک بھیڑیوں نے چرواہی کا کام کیا اور بر شیروں نے روزی پہنچانے کا۔ غریب عوام ان کی عنایات سے مالدار ہو گئے۔ حکومت کے ملازمین اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے۔ دولت کی زیادتی اور آبادی کی ترقی نے مصطفیٰ آباد (رامپور) کو مالا مال کر دیا اور ریاست رامپور کے کارخانے وغیرہ نے بہت ترقی کی۔

1 نواب محمد یوسف علی خاں ابن نواب محمد سعید خاں۔ پیدائش 5 ربیع الثانی 1231ھ 1816ء یکم اپریل 1855ء کو منڈنشین ہوئے۔ قیام دہلی کے دوران حکیم مومن خاں مومن کے شاگرد ہوئے۔ غالب سے بھی اصلاح لی۔ ابتدا میں یوسف تخلص تھا مرزا غالب کے مشورے سے ناظم تخلص اختیار کیا۔ آپ کا ایک دیوان اور ایک کلیات شائع ہو چکا ہے۔ رضا لاہوری میں کئی دیوان مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔ وہ دیوان بھی موجود ہے جس پر مرزا غالب کی اصلاحیں انھیں کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں۔ ناظم نے پچاس سال کی عمر میں 24 ذی قعدہ 1281ھ 21 اپریل 1865ء میں وفات پائی۔

1857 کے زمانہ میں ہزاروں مصیبت کے ماروں، پریشان حال، بے گھروں نے رئیس نامور کے سایہ میں سکون و آرام اور راحت کی سانس لی۔ سرکار انگلشیہ کی حکومت قائم ہونے پر اپنی زندگی عیش کے ساتھ گزاری۔ فن انشا پردازی، فارسی اور اردو شاعری میں بے مثال تھے۔ جناب ممدوح کی کلیات سے یہ چند اشعار بطور یادگار اس جگہ درج ہوئے۔ دس سال ہوئے کہ جنت میں آرام فرما ہوئے۔

محتاج نہیں قافلہ آواز درا کا	سیدھی ہے رہ بتکدہ احسان خدا کا
اُس باغ کی نکلت کا ہوں مشتاق کہ ہو جائے	جاتے ہوئے دم بند جہاں باد صبا کا
کوئی نہیں کہتا کہ یہ کس کا ہے کرشمہ	اک شور ہے سو عیسیٰ کے دم روح فزا کا
جھاڑیں ترے عشاق اسے گرد سمجھ کر	پڑ جائے اگر سر پہ کبھی سایہ ہما کا
تن فرط لطافت سے ہو جب روح مجسم	کیا زور چلے کشمکش بند قبا کا
اسرار حقیقت کا ہو اشعار میں شارح	کیا حوصلہ ہے ناظم آشفته نوا کا

دیکھو فروغ جوہر صہبائے ناب کا	کوثر ہے عین ثابتہ جام شراب کا
کثرت سے کب حقیقت وحدت بدل گئی	دریا ہے نام لہ و موج و حباب کا
کیا کامیاب ہونگے اس کے جمال سے	عارض سے جس نے کام لیا ہونقاب کا
بیجا ہے فرق تفرقہ و جمع کیوں نہ ہو	کیا عین ذات بحر نہیں قطرہ آب کا
توحید کے خلاف ہے تثلیث پھر مجھے	کیوں منکر و نکیر کے ڈر ہو جواب کا
ہر رنگ کے ظہور میں حق کی نمود ہے	ناحق ہے ہم کو تفرقہ لطف و عتاب کا
موجود حق ہے اور ہے معدوم ماسوا	اس بحر موج زن میں پتا کیا سراب کا
صرف اک مناسبت ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر	موتی بنے صدف میں نہ قطرہ سحاب کا
ہستی اُسی سے ہے نہیں منظور پر نمود	ذرے کو بھانپتا ہے فروغ آفتاب کا
پایا ہے بو سے رنگ نے اک گونہ امتیاز	خون سیاہ مادہ ہے مشک ناب کا
آفاق کا نمونہ ہے انسان میں تعبیه	فصل بہار عمر ہے عالم شباب کا

توحید کے بیان میں ناگہ زبان پر نام آ گیا جناب ولایت مآب کا
 ناظم در مدینہ علم نبی ہے وہ
 درباں ہے جبریل در بوتراں کا
 کبھی خوں ہوتے ہوئے اور کبھی جلتے دیکھا دل کو ہر بار نیا رنگ بدلتے دیکھا
 جب یہ چاہا کہ لکھیں وصف صفائے رخ یار صفحہ پر پائے قلم ہم نے پھسلتے دیکھا
 مئے میں یہ بات کہاں جو ترے دیدار میں ہے جس کو دیکھا کہ گرا پھر نہ سنبھلتے دیکھا
 پردہ کیوں کرتا ہے ناظم ترے گھر آئی ہے رات کو ہم نے اُنہیں بھیں بدلتے دیکھا

دلہ

سینے میں میرے تم کو عبث ہے گمانِ دل ہے ایک داغ اُس کو سمجھ لو نشانِ دل
 پہلے ہزار بار نہیں آزما چکے کرتے ہوئے کے دل کو عبث امتحانِ دل
 ہاں نالہ و فغاں کی چلی جائے چھیڑ چھاڑ کیوں بے صدا رہے جس کا روانِ دل
 افسوس ہے کہ ہم نے نہ کی آنسوؤں کی قدر ملتا ہے مفت خاک میں گنجِ روانِ دل
 ناظم وہ میں ہی ہوں کہ جولانا ہوں تابِ غم میرے جگر سے پوچھے سوئے نہانِ دل

دیکھنا اس قدر اے چرخ بڑھانا شبِ وصل کہ لگے صبح کا ہرگز نہ ٹھکانا شبِ وصل
 کچھ نہ ہو طول تو اتنا ہو کہ ہو جائے تمام شبِ ہجراں کی مصیبت کا فسانا شبِ وصل
 دم پر آ بنتی ہے جب ہجر میں یاد آتا ہے وقت پر شمع کا شرما کے بجھانا شبِ وصل
 وقت کا نام نہ لوں گا یہ دعا ہے یا رب مجھ کو آوازِ موزن نہ سنانا شبِ وصل
 کچھ نہ بن آئی تو کہنے لگے اچھا ناظم یاد رکھنا یہ ہمارا بھی ستانا شبِ وصل

کلام سخت کہہ کہہ کر وہ کیا ہم پر برستے ہیں لب ان کے لعل ہیں پر لعل سے پتھر برستے ہیں
 بنا گر قطرہ وہاں گوہر تو یہاں گوہر برستے ہیں ہمارے دیدہ ترابر سے بہتر برستے ہیں
 عرق رخ کا نقاب رخ سے جب ٹپکا تو ہم سمجھے کہ مہ پر چھا رہا ہے ابر اور اختر برستے ہیں

تماشا دیکھ سیلاب بہاری پر جیالوں کا
مری ہستی مگر فصل بہار شعلہ ہے ناظم

دلہ

ان دنوں اک شمع رو کے گھر کی ہوں تعمیر میں
میرے قبضے میں ہے سرتا سر بیابان جنوں
حرف مفرد ہی لکھے خط پیشانی میں کیا
پہلے دم نکلا ہے بعد اس کے جراحت سے لہو
ہوں جو دیوانہ کسی کے چاند سے رخسار کا
دست مانی سے الہی کیوں تڑپ کر گر پڑی
جز متاع کہنہ ونو اور کچھ اس میں نہیں
فرق ہے گر نظم ناظم اور شعر میر میں

لے کے اپنی زلف کو وہ پیارے پیارے ہاتھ میں
خوب ہی تیری حمایت پا کے لوٹی نقد دل
جب کبھی دست حنائی سے کترتا ہے وہ شوخ
دست ساقی جام جمشیدی سے بڑھ کر ہے مجھے
بند محرم کے وہ کھلواتے ہیں ہم سے بیشتر
نبض پر مجھ دل جلے کی انگلیاں رکھیں اگر

دل میرا مٹھی میں لے کر مجھ سے کہتا ہے وہ شوخ

کیا ہے اے ناظم بتاؤ تو ہمارے ہاتھ میں

دلہ

عاجز وہ نہ کیوں آئے بھلا بے وقفی سے
غمزہ ہی سے لے کام کہ عشاق بہت ہیں
گھوڑے پہ چڑھے سر تو اڑا دیتے ہیں لیکن
خود اس کا دہن تنگ ہو جب کم تخی سے
تھک جائے گا بازو ترا شمشیر زنی سے
گرتے کو اٹھا لیتے ہیں برچھی کی آنی سے

ولہ

ان کو گھر کا پتا دیا میں نے موت کو گھر بتا دیا میں نے
جان دی گو تڑپ کے پر تم کو اک تماشا دکھا دیا میں نے
اس ستمگر کے ظلم سہہ سہہ کر اور ظالم بنا دیا میں نے
اٹھ گیا رو کے میں تو وہ بولے آج پردہ اٹھا دیا میں نے
دے کے دل بار بار اے ناظم زلف کا دل بڑھا دیا میں نے

رباعی

گر کہیے حلول ہے وہ اک امر قبیح ایسا ہی کچھ اتحاد باطل ہے صریح
جب ممکن و واجب میں ہو عینیت کیونکر نہ کہوں کہ ہے ہمہ دوست صحیح

وہ حسن نہیں نام خدا اور ہی کچھ ہے انداز نرالا ہے ادا اور ہی کچھ ہے
جو میں نے کہا تھا وہ بگڑنے کی نہ تھی بات قاصد نے مگر اس سے کہا اور ہی کچھ ہے
عیسیٰ سے کہو مردہ صد سالہ جلائیں بیمار محبت کی دوا اور ہی کچھ ہے
کہتے ہو ہم اب غیر کو آنے نہیں دیتے سچ ہو یہی پر میں نے سنا اور ہی کچھ ہے
تم حسن کی خیرات میں کیا دیتے ہو لاو ہر چند تمنائے گدا اور ہی کچھ ہے
پر وہ نہ کہا تیرے لب روح فزا نے ہم جانتے تھے آب بقا اور ہی کچھ ہے

ہم زہد و عبادت کے بھی منکر نہیں ناظم

پر قاعدہ فقر و فنا اور ہی کچھ ہے

میر رفیع الدرجات نزہت

نزہت تخلص¹، میر رفیع الدرجات خلف میر ضیاء الدین عبرت فارسی (ادبیات) میں بے مثال قابلیت رکھتے تھے اور عمدہ قسم کے شعر کہتے تھے۔ پاگل پن کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ آہستہ آہستہ نوبت یہ آئی کہ دوستوں سے ملنا بھی چھوڑا اور وحشت کے عالم میں تنہائی میں بسر کرتے تھے۔ ایک زمانہ تک صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خاں خلف نواب نصر اللہ خاں کے ندیم رہے۔ مولوی محمد سعید احمد مدرس مدرسہ کلکتہ جو کہ مفتی محمد شرف الدین رامپوری کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک بار مسٹر مکان صاحب سکریٹری نواب گورنر جنرل کے سامنے ان (نزہت) کی زبان دانی کا ذکر کیا۔ چونکہ صاحب، اہل ہنر کے قدردان تھے۔ جس وقت نواب گورنر لارڈ بینٹنک صاحب کے ساتھ رامپور آئے تو ایک دن صبح سویرے سویرے ہاتھی پر سوار ہو کر میر صاحب کے مکان پر پہنچے اور ان سے ملاقات کر کے خواہش ظاہر کی کہ انگریزی سرکار کی ملازمت اختیار کر لیں اور ان کے فارسی اشعار کا نمونہ طلب کیا۔ آپ نے فی البدیہہ چند اشعار فردوسی کے طرز پر لکھے اور حوالے حوالے کر دیے اس میں جو مجھے یاد ہیں لکھتا ہوں مگر نزہت اپنے وطن کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ پچاس سال کے قریب عرصہ ہوا کہ دارالبقا کو سدھارے۔²

1 نزہت کی پیدائش 1195ھ 1871ء میں ہوئی۔ ”انتخاب یادگار“، ”تذکرہ کالملاں رامپور“، ”رامپور کا دبستان شاعری“ وغیرہ کے مصنفین نے ان کی شعری صلاحیتوں اور علم و فضل کی بہت تعریف کی ہے۔ امیر مینائی نے لکھا ہے کہ ”کلام حضرت کا سب برباد ہو گیا جو ملاوہ تبرکاً تمنا مرقوم ہوا“ کلام واقعی خوبصورت اور رموز تصوف پر مشتمل ہے اس لیے یہاں نقل کرتا ہوں

بہار یاسمن ہوں رنگ گل ہوں شور بلبل ہوں چمن ہوں محفل مینا کشاں میں نغمہ مل ہوں
طرب ہوں بزم ہوں ساقی ہوں اسباب معیشت ہوں سبب ہوں جام ہوں میناے مے ہوں شور قتل ہوں
صفائی آئینہ ہوں عکس ہوں جوہر ہوں عارض ہوں نگہ ہوں چشم ہوں مرثاں ہوں مردم ہوں تغافل ہو

2 میر رفیع الدرجات نزہت نے 5 ربیع الاول 1265ھ 29 جنوری 1849ء میں وفات پائی۔

سعید ازل مولوی زمان ز نزہت سخن راند پیش مکان
 مکان مکین مکان کرم دو کان عنایات و کان کرم
 یکی روز ہنشستہ بر پشت ژند چو خورشید تابان بہ چرخ بلند
 یہ ان کے کچھ اردو اشعار ہیں۔

سیرتھی ان کے جو بالیں میں گئے بال لپٹ اور پاجامہ پیلام میں خلخال لپٹ
 دیکھ کے راہ میں تم چال چلو سیدھے سے خاک سے اٹھ کے نہ جاوے کوئی پامال لپٹ

کسی کا قد رعنا یاد آگیا یاد جو شاخ گل ملی اللہ اکبر
 لگے کہنے وہ نزہت سے پری رات کہ تم تو تھے ولی اللہ اکبر
 قطعہ

سرِ راہ تنہا انہیں گھیر کر کہا میں نے کس طرف جاتے ہیں آپ
 مکاں یہاں سے بندہ کا نزدیک ہے یہی وقت ہے اب جو آتے ہیں آپ
 قسم ہم سے لو گر تمہیں کچھ کہیں عبث دل میں اب دکھ پکاتے ہیں آپ
 ہلا سر کو سنتے ہی اس بات کے یہ بولے ہمیں دم بتاتے ہیں آپ
 جو دل میں نہیں کچھ تمہارے تو پھر اکیلا ہمیں کیوں بلاتے ہیں آپ

قدغن ہے دربانوں پر یہاں اس کو مت آنے دو
 عبرت کا جو بیٹا ہے اور اس کا تخلص نزہت ہے

صاحبزادہ مہدی علی خاں نحیف

نحیف تخلص¹ صاحبزادہ (محمد) مہدی علی خاں خلیف صاحبزادہ محمد حفیظ اللہ خاں خلیف نواب غلام محمد خاں، عربی فارسی ادبیات کا بہت اچھا علم رکھتے تھے۔ اپنی ذات سے بہت زیادہ مروت والے، فیاض اور بہادر تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ یہ چند اشعار ان کے یادگار ہیں۔
دو سال کے قریب ہوئے کہ اس جہاں سے رخصت ہوئے۔²

نواب محمد کلب علی خاں نواب

نواب تخلص، عالی جناب نواب³، بلند القاب والا خطاب، دنیا کو فیض پہنچانے والے، اپنے زمانے کے حاتم، بخشش و عطا کی کھان، بے پناہ عنایات کا سرچشمہ، شیریں بیان، زبان دانوں کے سردار، تیز زباں، اپنے زمانے کے سب سے زیادہ خوش بیان لشکر فضیلت میں سب سے آگے، میدان سخن سے انوکھے مضامین کو رواج دینے والے، اچھی بری بات کو پرکھنے والے،

1 نحیف کی پیدائش 1242ھ 1827ء میں ہوئی۔ شاعری میں پہلے نواب یوسف علی خاں ناظم اور بعد میں احمد علی خاں رسا سے اصلاح لی۔ ”انتخاب یادگار“ میں امیر مینائی نے ان کے بہت سے اشعار نمونہ لکھے ہیں۔ صاحب تذکرہ ہڈانے ان کا کوئی شعر نہیں لکھا ہے اس لیے ”انتخاب یادگار“ سے اپنا پسندیدہ ایک شعر نقل کرتا ہوں

ہم کو فنا کے بعد ملی منزل بقا جب بے وطن ہوئے تو میسر وطن ہوا

1 47 سال کی عمر میں 27 رمضان المبارک 1289ھ 28 نومبر 1872ء کو رامپور میں وفات پائی۔

نواب محمد کلب علی خاں ابن نواب یوسف علی خاں ناظم پیدائش 20 ذی الحجہ 1250ھ 19 اپریل 1835ء اردو فارسی شاعری میں امیر احمد امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ 24 ذی قعدہ 1281ھ 21 اپریل 1865ء کو ریاست رامپور کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور 21 سال 11 مہینے 5 دن حکومت کی۔ 27 جمادی الآخر 1304ھ 1887ء کو وفات پائی۔ ”خلد آشیان“ لقب پایا۔

نیز طبع و ذہن کی روشنی سے معنی کا چراغ روشن کرنے والے، علوم عقلی (حکمت و فلسفہ) کے جامع، فنون نقلی (ادبیات) کے ماہر، اس کے وسواس کی پستی و وسعت خیال ٹیلوں کے مساوی، اس کے ضمیر نورانی کے موتی چڑھتے سورج جیسے ہیں۔

اس کی نظم، نظم، نظم ثریا سے زیادہ اچھی ہے اور اس کی نثر آسمان پر سیر کرنے والے ہمارے زیادہ بلند پرواز ہے۔ اس کے دیوان کا مطلع انوری اور انوری کے دیوان کا حسن مطلع ہے اور اس کا مقطع ظہوری کے دیوان کے سب سے اوپر لکھا ہوا ہے۔ امیر ابن الامیر ابن الامیر نواب محمد کلب علی خاں بہادر والی ملک رامپور۔ اللہ تعالیٰ انھیں اور ان کے ملک (ریاست رامپور) کو ہمیشہ قائم رکھے۔

داد گرا فلک ترا جرعه کش پیالہ باد دشمن دل سیاہ تو غرق بخون چو لالہ باد
ذروہ کاخ رفعت راست ز فرط ارتفاع راہ روان وہم را راہ ہزار سالہ باد
زلف سیاہ پرچمت چشم و چراغ عالم است جان ز نسیم دولت در شکن کلالہ باد
ای مہ مرج معدلت مقصد کل ز آدمی باد صاف دایمت در قدح و پیالہ باد
چون بہ ہوائ قاصد زہرہ شود ترانہ ساز حاسدت از سماع آن ہمد آہ و نالہ باد
نہ طبق سپہ روان قرصہ سیم و زر کہ ہست از لب خوان شمعیت سہل ترین نوالہ باد
”قتدیل حرم“، ”ترانہ غم“، اور ”شکوہ خسروی“¹ اس بلند جناب کی تصانیف ہیں جو کہ فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہیں اور پورے ہندوستان میں اس کے دیکھنے والوں کی نظر کوتازگی ملتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا ہر فقرہ معنی کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس کی فکر سلیم سے انتخاب کرنے کے لیے یہ مجموعہ (تذکرہ شعراے رامپور) حیران ہے اس شعر کے مطابق؛

1 یہ شعر محمد حسین نظیری نیشاپوری (م 1023ھ) کا ہے جس کا پہلا مصرعہ اس طرح ہے

”ز فرق تا قدمش ہر کجا کہ می نگریم“

(دیوان غزلیات نظیری نیشاپوری، کشمیری بازار لاہور مطبوعہ دسمبر 1934)

ز پای تا برش ہر کجا کہ می بینم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست¹

صاحبزادہ نجف علی خاں نجف

نجف تخلص، صاحبزادہ نجف علی خاں² اردو زبان میں شعر کہتے تھے۔ یہ غزل ان کی ہے۔
قریب پچاس سال ہوئے کہ اس جہاں سے گزرے³۔

داد و فریاد عبث شکر و شکایات عبث آہ کیا کیجیے ہے اپنی ہر اک بات عبث
ہاں میاں سچ ہے نتیجہ ہے یہی چاہت کا مجھ سے کہتے ہو کہ ہے تجھ سے ملاقات عبث
جب گھٹا اٹڈے ہے چھاتی مری بھر آتی ہے بن ترے یعنی چلی جاتی ہے برسات عبث
زلف کو ہاتھ تو ٹک مجھ کو لگانے دو بھلا دیکھو مت کھو مری ہاتھ سے یہ رات عبث
نہ شرارت تھی مرے ساتھ نہ شوخی ہر گز جیتے جی تم سے نہ دیکھی میں کوئی بات عبث
لیک مرتے ہی مرے غیر پہ تم مرنے لگے ہو گئی آپ کی سب لطف و عنایات عبث
سرخ رو میں نہیں ہونے کا دن آئے تیرے پان تو مجھ کو یہاں بھیجے ہے سوغات عبث
گوش و ہوش اس کے کہاں ہیں تری باتوں پہ نجف
قصہ بے فائدہ ہے، حرف و حکایات عبث

- 1 شہیر علی خاں شکیب نے ”راپور کا دبستان شاعری“ میں ان تصانیف کے نام لکھے ہیں: (1) ”تاج فرخی“ دیوان فارسی، (2) ”نشد خسروانی“ دیوان اردو، (3) ”دستنبوے خاقانی“ دیوان اردو، (4) ”درة الانتخاب“ دیوان اردو، (5) ”توقع سخن“، (6) ”بلبل نغمہ سخن“، (7) ”قصہ مہر و ماہ“ وغیرہ
- 2 نجف کے والد کا نام غلام نبی خاں ولد بہادر خاں کمال زی تھا۔ شاعری میں حافظ الہ داد شہرانی طالب کے شاگرد تھے۔ ”انتخاب یادگار“ میں امیر مینائی نے لکھا ہے کہ 49 برس کی عمر یعنی 1278 میں انتقال کیا اس حساب سے آپ کی تاریخ ولادت 1209ھ ہوتی ہے۔
- 3 نجف نے 12 رجب 1278ھ 1862 میں وفات پائی۔

مستقیم خاں وسعت

وسعت تخلص، مستقیم خاں نام¹ مذاق سے بھرے ہوئے شعر کہتے تھے۔ یہ صاحب عزت خاندان اکثر صاحبزادوں (نوابان رامپور) کی خدمت میں رہا۔ اپنی علمی قابلیت کے سبب احسان کے لائق تھے۔ صاحب دیوان ہیں۔ یہ چار بیت اور غزل ان کی مشہور ہے۔ چالیس سال سے زیادہ گزرے کہ اس دنیا سے سدھارے۔²

چار بیت

لڑ گئی جب سے نگاہ اس بت بے پیر سے تاب و تواں سب گئی اس دل دلیگر سے
ماجرے حال زار پوچھو ہو کیا دوستاں تاب زباں کو نہیں جو کرے اس کا بیاں
دل کو مرے شوخ نے پایا جو دیوانہ ساں باندھ کے شب لے گیا زلف گرہ گیر سے
صورت ناسور چشم کیوں نہ ہے زار زار غمزہ و ناز و ادا ابرو و مژگان یار سے
کر گئی گھائل مجھے آہ دل بے قرار خنجر و تیر سنان، گنتی و شمشیر سے
آہ اسی سوچ میں گذرے ہے شام و سحر اپنے اس اوقات کو کیجیے کیونکر بسر
خواب میں وہ گاہ گاہ آتا تھا مجھ کو نظر سو نہیں آتے وہ خواب اب کسی تدبیر سے
آہ اسی فکر میں گذرے ہے شام و پگاہ کیجیے کیونکر بیاں اس سے یہ حال تباہ
بوئے دل سوختہ میرے سخن میں ہے آہ ناک چڑھاتا ہے وہ غنچہ تصویر سے

-
- 1 وسعت کے والد کا نام منور محمد خاں تھا۔ وسعت میر ضیاء الدین عبرت اور مولوی قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔ مصحفی نے ان کی بہت تعریف کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ”ایک قابل جوان، ذہین اور خلیق و ملتسار ہے۔“
- 2 ”وفیات مشاہیر اردو“ میں بشارت علی خاں فروغ نے وسعت کی ولادت 1764 اور وفات 1830 (9 جمادی الاول 1246ھ) لکھی ہے۔

بوئے دل سوختہ میرے سخن میں ہے آہ
 ناک چڑھاتا ہے وہ غنچہ تصویر سے
 باندھ کے شب لے گیا زلف گرہ گیر سے
 تو صاف آوے نظر جرم آفتاب میں سانپ
 یہ عالم اُس کے ہے پانو پہ نیلے ڈوروں کا
 ہو جیسے شاخ پہ صندل کی پیچ و تاب میں سانپ
 جھجک نہ اے بتِ بدست دیکھ کر اس کو
 یہ عکس زلف ہے تیرا، نہیں شراب میں سانپ
 خیال زلف بتاں دل میں ہے اے وسعت
 کہ جیسے ہووے کسی خانہ خراب میں سانپ¹

1 ”ریاض الفصحی“ میں مصحفی نے اس غزل میں یہ دو شعر اضافہ کیے ہیں جو اس تذکرے میں نہیں ہیں
 رکھو نہ زلف کا اپنی سدا نقاب میں سانپ کہ کپتلی سے نپٹ ہوئے ہے عذاب میں سانپ
 ہماری چشم میں دیکھے وہ عکس زلفِ بتاں کہ جس نے دیکھا نہ ہو کاسہ حباب میں سانپ
 1 امیر مینائی نے ”انتخاب یادگار“ میں ان کے دو بہت خوبصورت شعر لکھے ہیں
 ایک ذرا ان کو بلا لو جو چلے جاتے ہیں منہ چھپائے ہوئے اور راہ سے کترائے ہوئے
 وائے قسمت ایک گالی کی ہوئیں دو، تین، چار وقت گفتن جب زباں پر اس کی لکنت آگئی

صاحبزادہ عبید اللہ خاں ہمد

ہمد تخلص، صاحبزادہ عبید اللہ خاں¹ خلف صاحبزادہ محمد فتح علی خاں خلف نواب محمد فیض اللہ خاں۔ اس بلند مرتبہ خاندان کے دوسرے صاحبزادوں کی طرح بڑے رکھ رکھاؤ اور فیاضی کے ساتھ زندگی گزاری۔ گھوڑے کی سواری کا بہت شوق تھا۔ چالیس سال کا عرصہ ہوا کہ اس جہان سے گزرے²۔ اردو میں اچھے شعر کہتے تھے۔ ایک دیوان ترتیب دیا تھا مگر ان کے وارثوں (اولاد) میں سے کسی نے محفوظ نہیں رکھا۔

جس وقت مرے ہمد تو ہم سے جدا ہوگا
ہم دم سے جدا ہوں گے دم ہم سے جدا ہوگا

ہے کہاں لیلیٰ جو پھر آرائش سودا کریں
گرد مجنوں کو غبار خاطر صحرا کریں

نو گرفتار ہوں کچھ رسم مجھے یاد نہیں
اس لیے ضبط فغاں نالہ و فریاد نہیں

1 امیر مینائی نے ”انتخاب یادگار“ ص 399 و بشارت علی فروغ نے ”وفیات مشاہیر اردو“ ص 650 پر ان کا نام ”عبید اللہ“ لکھا ہے۔ ”انتخاب یادگار“ میں امیر مینائی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ”یہ بزرگ آزادی مشرب غلبہ ذوق میں شعر فرماتے تھے واردات قلبی اس پردے میں زبان پر لاتے تھے۔“ امیر مینائی نے ان کے دو فارسی شعر بھی نمونہ لکھے ہیں جو بہت اچھے اور خوبصورت شعر ہیں

مست آنست کہ در حشر پرسد کہ کجاست جامِ ما، بادۂ ما، شیشۂ ما ساغرِ طے
بے وفا این قدر وفا کردم کہ ترا صاحبِ جفا کردم

1 آپ نے 23 محرم 1251ھ اپریل 1825 میں وفات پائی۔

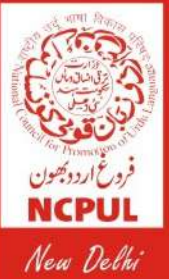
تذکرہ نویسی اردو میں فارسی کے اثر سے آئی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو شعرا کے تذکرے بالکل فارسی تذکروں کی طرز پر لکھے گئے ہیں۔ زیر نظر کتاب ”تذکرہ شعرائے رامپور“ کے مصنف جارج فانٹوم متخلص بہ صاحب و جرہیں نے رامپور کے شعرا کا تذکرہ بہ زبان فارسی لکھا تھا۔ جارج فانٹوم ریاست رامپور میں بحیثیت ایک طبیب ملازم تھے۔ رامپور اتر پردیش کا نہایت مردم خیز خطہ رہا ہے۔ اس کی علمی و ادبی تاریخ قدیم ہی نہیں وقیع بھی ہے۔ یہ تذکرہ اگرچہ انتہائی نامکمل اور مختصر ہے مگر اس کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس میں چند ایسے رامپوری شعرا کے حالات و کلام بھی دستیاب ہو جاتے ہیں جو کہیں اور نہیں ملتے۔ اس تذکرہ میں تقریباً سو سال کی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ تذکرہ میں کل چونسٹھ رامپوری شعرا کے حالات انتہائی اختصار کے ساتھ قلم بند کیے گئے ہیں۔

جارج فانٹوم اردو، فارسی وغیرہ کا اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے اور اردو، فارسی زبان کے ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ اسی ادبی ذوق و شوق کے تحت انھوں نے ”تذکرہ شعرائے رامپور“ لکھا جو واقعی ایک اچھا تذکرہ ہے۔ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی نے بہت ہی محنت، کاوش اور تلاش و جستجو سے اس تذکرہ کی تدوین و ترجمہ کر کے اس میں حواشی کا بھی دیگر تذکروں کے حوالہ سے اضافہ کیا ہے۔ جس سے اس تذکرہ کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ ڈاکٹر مصباح نے ترجمہ با محاورہ اور سلیس زبان میں کیا ہے۔ ترجمہ کے اصول و ضوابط کو بھی مد نظر رکھا ہے۔ جس سے ان کی ترجمہ کرنے کی صلاحیت نکھر کر سامنے آتی ہے۔ ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ وہ درس و تدریس سے بھی وابستہ ہیں۔ بہر حال اردو داں حضرات کے لیے یہ کتاب ”تذکرہ شعرائے رامپور“ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ امید ہے فارسی سے اردو تراجم اور تذکرہ نویسی سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے لیے یہ کتاب مفید ثابت ہوگی۔

ISBN 978-81-942831-1-9



9 788194 283119



New Delhi

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9

انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی-110025

قیمت - 90 روپے